ماحول کا اثر

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ کَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَآءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَآءَ؟ ثُمَّ یَقُوْلُ: فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذَالِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ)) [متفق علیه]

’’سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں کوئی پیدا کیا گیا مگر فطرت کے اوپر پیدا کیا جاتا ہے، پس اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی، یا اس کو مجوسی کر دیتے ہیں، جیسا کہ چارپایہ بچہ دیتا ہے اور وہ بچہ پورا چارپایہ ہوتا ہے، کیا تم اس میں کچھ نقصان معلوم کرتے ہو؟ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ’’اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو لازم پکڑو جس پر لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے کو بدلنا نہیں، یہ دین درست ہے۔‘‘

دین کے بنیادی اصول ⑫

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے ہر کوئی اپنی والدہ کے پیٹ میں پیدائش کے وقت چالیس دن نطفہ کی صورت رہتا ہے، پھر اتنا عرصہ گوشت کے ٹکڑے کی صورت رہتا ہے، پھر اتنا عرصہ لوتھڑے کی صورت رہتا ہے، پھر اس کی طرف فرشتہ بھیجا جاتا اور چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے: پھر اس کا رزق، مدتِ عمر، کرنے کے کام اور یہ کہ بد ہے یا نیک لکھا جاتا ہے۔''

[صحیح بخاری: ۳۳۳۲، صحیح مسلم: ۲۶۴۳۔ یہی وہ حدیث ہے جس کی طرف اصول نمبر ۱۲ میں اشارہ کیا گیا ہے۔]

یہ سب باتیں اسی وقت لکھ دی جاتی ہیں جب کہ وہ ابھی اپنی والدہ کے پیٹ میں ہوتا ہے۔

جب صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آیا ہم عمل کرنا چھوڑ دیں؟ اور اپنے متعلق لکھے ہوئے پر بھروسہ کر لیں؟ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عمل کرتے رہو، ہر شخص کو وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔''

[صحیح بخاری: ۴۹۴۵۔ صحیح مسلم: ۲۶۴۹]

ہمیں عمل کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہی انسان کے لیے وہ کام آسان اور متعین کر دیتا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہو۔ جو بد بخت پیدا ہوا اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ بدبختی والے کام کرنے لگتا ہے، جو نیک بخت ہو اس کے لیے نیکی کے اسباب آسان کرتا ہے۔ یہی تقدیر پر ایمان ہے، اس کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں۔

اصول نمبر 13: ...... وَمِثْلُ اَحَادِيْثِ الرُّؤْيَةِ كُلِّهَا، وَاِنْ نَبَتْ عَنِ الْاَسْمَاعِ وَاسْتَوْحَشَ مِنْهَا الْمُسْتَمِعُ وَاِنَّمَا عَلَيْهِ الْاِيْمَانُ بِهَا، وَاَنْ لَّا يَرُدَّ مِنْهَا حَرْفًا وَاحِدًا۔ وَغَيْرِهَا مِنَ الْاَحَادِيْثِ الْمَاثُوْرَاتِ عَنِ الثِّقَاتِ

''دیدارِ باری تعالیٰ والی تمام احادیث، گو کسی کے کان ناگواری محسوس کریں اور سننے والا اس سے اجنبیت محسوس کرے، اسے ان پر ایمان لانا چاہیے، اور ان میں سے ایک حرف بھی رد نہیں کرنا۔ مزید وہ احادیث بھی جو ثقہ راویوں سے منقول ہیں۔''

فہرست

حکمت وتدبیر سے

اداریہ ══ حافظ احمد شاکر

تحریک نفاذِ نظام مصطفیٰ (۱۹۷۷ء) میں ہنگاموں کے مشاہدے سے یہ خیال ہمارے ذہن میں مسلسل گھومتا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ طاغوت عاقبت نا اندیش وطن دشمن قوتوں کے ذریعے وطن عزیز میں خانہ جنگی بپا کرنے کی سعی نامراد کرے۔کبھی سیاست دانوں کی سیاسی مناقشت کا سہارا لے کر کبھی لیڈروں کی منافقت کو عنوان بنا کر، کبھی عقائد کے اختلافات کو ہوا دے کر، کبھی فقہی اختلافِ رائے کو ہوّا بنا کر، کبھی امت میں صدیوں سے موجود فرقوں میں اختلاف کو مخالفت کا رنگ دے کر، کبھی معاشرے میں انارکی پھیلا کر اور کبھی سیاسی نظریات کی آڑ میں جیالوں اور متوالوں کی دھما چوکڑی لگا کر۔لیکن بھلا ہو ان محبان ملک وملت کا، اعتدال پسند علماء وفقہاء کا جو کہ ہر جماعت میں تناسب کی کمی بیشی کے ساتھ موجود ہوتے ہیں، اور محبّ وطن فورسز کا جنھوں نے طاغوت کی اس زندیقی خواہش کو ناکام بنانے کے لیے اپنے فکری وسیاسی اختلافات پس پشت ڈالتے ہوئے اور اپنے مذہبی تعصب وتصلب کے جذبات کی قربانی دیتے ہوئے وطن عزیز کو اس ابتلاء سے محفوظ رکھا۔

....

جنگ افغانستان کے بعد امریکہ نے اپنا مطلوب ومقصود......شکست روس......حاصل کر لینے کے بعد پھر اس نے اپنی وہی صلیبی یعنی مسلم کش پالیسیاں شروع کر دیں لیکن اس مرتبہ اس نے نیو ورلڈ آرڈر کے عنوان پر ''وہ اب تک اسی خوش فہمی میں ہے'' کہ دنیا میں مرزا یارا کیلا ہی پھرے گا۔ چناں چہ حادثہ بہاولپور کے بعد خلائی حکومت کے آنے تک چار جمہوری حکومتوں یعنی ایک ایک حکم ران کو دو دو مرتبہ وفا نبھانے اور اطاعت شعاری دکھانے کا موقع دیا گیا۔کم وبیش ۹ سال کے ان جمہوری ادوار میں مہنگائی بے لگام کی گئی، ذرائع ابلاغ میں پہلے عوام کو عریانی کا عادی بنایا گیا پھر حکم رانوں کی ہر بار تبدیلی کے ساتھ ساتھ قوم کی فحاشی کی طرف پیش رفت شروع کر دی گئی۔اوّلاً دین کا وقار کم کرنے کی کوششیں نمو پانے لگیں پھر اہل دین کا استخفاف، استحقار اور استہزاء تک ہونے لگا۔حتی کہ دین سے وابستگی کی شہرت رکھنے والے ایک حکم ران کو اقتدار کے لیے خود کو فنڈامنڈلسٹ نہ ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔لیکن افسوس کہ دین سے براءت کا یہ اظہار بھی اس حکم ران کے اقتدار کو طول نہ دے سکی۔تا آنکہ نیو ورلڈ آرڈر جاری کرنے والوں کو اپنا ایک ایسا من پسند حکم ران مل گیا جس نے خلاء سے نازل ہو کر سیاست دانوں کی محبوبہ جمہوریت کو اغوا کر لیا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جمہوریت کے اس اغوا کار کو جمہوریت کے مامے......امریکہ......کی اشیر باد اور مکمل حمایت حاصل تھی۔منتخب جمہوری حکومت پر شب خون مارنے والے اس حکم ران نے قوم کو اپنا تعارف ایک سگ پسند کی حیثیت سے کرایا اور اس نے نیو ورلڈ آرڈر کی ان شقوں پر تیزی سے عمل درآمد شروع کر دیا۔جن پر سابقہ حکم ران اس لیے عمل نہ کر سکے کہ وہ پاکستانی عوام کے مزاج آشنا اور ان کے ردّ عمل سے خائف تھے۔مثلاً علماء وطلبائے دینیہ اور دین پسند حلقوں کو غیر معتدل کہنا، زمینی حقائق سے ناواقف ہونے کا طعنہ دینا، اُن کو جنگجو، شدت پسند اور دہشت گرد جیسے القاب وخطابات دینے اور دینی مدارس کو دہشت گردی کے مراکز قرار دینا شروع کر دیا۔لیکن اس غاصب حکم ران اور اس کے آقا کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ ان بوریا نشینوں سے ٹکرانا اور ان کے مقام واحترام کو ملحوظ نہ رکھنا اتنا آسان نہیں۔پھر اس نے پینترا بدل کر شیعہ سنی، بریلوی دیوبندی اور اہل حدیث حنفی کے فقہی اختلافات کو ابھارنا اور پھیلانا شروع کر دیا۔لیکن الحمد للہ ہر مکتب فکر کے اہل دانش نے طاغوت کی اس چال کو سمجھ کر باہمی مخالفت، ٹکراؤ اور

الجھاؤ سے دامن بچا کر وطن عزیز کو اس گھناؤنی سازش سے بچالیا۔

....

جب سے عوامی جمہوری حکومت آئی ہے اس وقت سے ملک کی دو بڑی سیاسی جماعتیں بہ ظاہر ایک دوسرے کے دکھ سکھ ہی نہیں بعض سیاسی اعمال اور ذاتی مفادات کی خاطر حبّ جمہوریت میں کہیں باپردہ اور کہیں بے پردہ شریک بھی ہیں۔لیکن یہ دونوں جماعتیں فکری بعد کے باعث ایک دوسرے کو گاہے گاہے وفاء و جفاء اور باہمی عہد شکنیاں گنانے اور طعنے بھی دینے لگتی ہیں۔اور کبھی کبھی یہ فکری و سیاسی تضادعیاں ہو کر سامنے آتا بھی رہتا ہے۔

حیرت ناک نہیں افسوس ناک بات یہ ہے کہ سابقہ حکمران کی امن شکن مہنگائی......ڈاکے، جرائم......اور وطن دشمن......امریکی غلامی دین و اہل دین کے عدم احترام کی...... پالیسیاں اُسی طرح بلکہ شاید اُس سے بڑھ کر جاری و ساری ہیں۔اس بیلنس کو برابر کرنے کے لیے حکومت نے وطن کے لیے کچھ بہتر انتظامی فیصلے مثلاً مالیاتی ایوارڈ، بلوچستان پیکج اور گلگت بلتستان کے فیصلے......جیسے بھی ہیں......ضرور کیے ہیں لیکن لوڈ شیڈنگ میں اضافے، ایندھن کی قیمتوں میں بڑھوتی، عدلیہ کے حالات و معاملات خصوصاً ججوں کی تقرری کے اختیارات، این۔آر۔او پر عدالت عظمیٰ کے فیصلوں پر عمل درآمد، بیرون ملک سے لٹیروں کی بھیجی ہوئی دولت کی واپسی اور حکومت اداروں میں بدعنوانی کے مقدمات۔ان سب معاملات میں حکومت کی گومگو کی پالیسی کہہ لیں، یا عدلیہ سے عدم ہم آہنگی کہہ لیں نمایاں محسوس ہونے کی وجہ سے حکومت کا وقار دھندلا سا لگنے لگا ہے۔ہماری ناقص رائے میں اصحابِ حکومت اور اہل دانش باہمی مشاورت سے عدم ہم آہنگی کے اس خلا کو جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ وطن عزیز امن و سکون کا گہوارہ بن سکے۔وگرنہ خاکم بدہن خطرہ یہ ہے کہ وطن عزیز کے دوست نما دشمن کہیں اس فکری خلیج کو اتنا وسیع نہ کر دیں اور حکومت کی گومگو پالیسی کو اس قدر طول نہ دے دیں کہ ملک کی دونوں بڑی سیاسی جماعتیں جو اس وقت بہ ظاہر حلیف ہیں وہ حریف نہ بن جائیں کہ جیالے اور متوالے آمنے سامنے نہ آجائیں اور یہ تلاطم کہیں تصادم کی صورت اختیار نہ کر لے، کہ جوان خون کا اشتعال حب الشيء يعمي ويصم (یعنی محبت اندھی ہونے) کا مکمل مظہر ہوتا ہے۔

دوسری ہماری خاص گزارش یہ ہے کہ یہ دونوں بڑی سیاسی جماعتیں مستقبل کے سیاسی اقدامات اور حکومتی فیصلہ جات میں دین اور اہل دین کو نظر انداز نہ کریں بلکہ دین و اہل دین کے مقام و احترام کو مدنظر رکھیں کہ اہل پاکستان بھوک، افلاس اور غربت تو برداشت کر سکتے ہیں لیکن اپنے دلوں پر کندہ اسم محمد ﷺ پر آنچ برداشت نہیں کریں گے۔ان پالیسی سازوں سیاسی لیڈروں اور حال و مستقبل کے حکم رانوں کو ۱۹۵۳ء ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۷ء کی تحریکوں اور اس کے انجام کو سامنے رکھ کر پالیسیاں بنانی چاہئیں۔خصوصاً آئین میں قرآن و سنت کے سپریم لا ہونے تو ہین رسالت کے آرڈی نینس اور امتناع قادیانیت کی قانونی شقوں میں ترمیم تو کجا زم کرنے سے بھی گریز کریں کیوں کہ یہی چیزیں تو...... پاکستان کے عوام کے نزدیک......نظریہ پاکستان کی اساس ہیں اگر حکومتی پالیسیوں میں انہی قوانین کا احترام نہ کیا گیا تو باقی صرف چنگیزی ہی رہ جاتی ہے۔

وطن عزیز کی سلامتی اور تحفظ کے حوالے سے پاکستان کی فورسز خصوصاً عساکر پاکستان کا کردار قابل رشد حد تک واضح اور شفاف رہا ہے۔کہ ان کے شعار......MATO......(ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ) کا تقاضا ہی یہی ہے۔اب بھی ہم اس باوقار اور وفادار ادارے سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ اور اس کے ذیلی ادارے ماضی کی ان قابل فخر روایات کی پاس داری کرتے ہوئے طاغوت کی ہر ایسی پالیسی کو، جس میں خانہ جنگی کی بو محسوس ہو، وفاداری اور جاں نثاری کے اپنے جذبے کے ساتھ حکمت و تدبیر سے بالکل اسی طرح کچل دیں جس طرح اب تک مختلف المسالک علماء اور مختلف الفکر سیاسی زعماء ذاتی جذبات و خیالات کی قربانی دے کر کچلتے آئے ہیں۔

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَاطَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

درسِ قرآن

سورۃ البقرۃ (10)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ م: ۱۲۳۰ھ ...... اردو ترجمہ ......

...... حواشی ......
① ...... احادیث التفاسیر ...... مولانا حافظ حمید اللہ میرٹھی رحمہ اللہ م: ۱۳۳۰ھ
② ...... احسن الفوائد ...... مولانا سید احمد حسن صاحب دہلوی رحمہ اللہ م: ۱۳۳۸ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

﴿ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ
مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ط وَ اِنْ
يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ
مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَيَوْمَ
الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُوْنَ (٨٥) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (٨٦)
وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز وَ
اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط
اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ
اسْتَكْبَرْتُمْ ج فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ (٨٧) وَ قَالُوْا
قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا
يُؤْمِنُوْنَ (٨٨) وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا
مَعَهُمْ لا وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا صلے ج فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ز فَلَعْنَةُ اللّٰهِ
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (٨٩) بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ ج فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ط وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (٩٠)
وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ
عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط
قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (٩١)

''پھر تم آپس میں ویسے ہی خون (ریزی) کرتے ہو اور اپنے ایک فرقے کو ان کے وطن سے نکال دیتے ہو ان پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرتے ہو اور اگر وہی تمہارے پاس کسی کی قید میں پڑے (ہوئے) آئیں تو ان کی چھڑوائی (آزادی کی رقم) دیتے ہو اور ان کا نکال دینا بھی تم پر حرام ہے پھر کیا تھوڑی کتاب مانتے ہو اور تھوڑی سے منکر ہوتے ہو ❶ پھر جو کوئی تم میں یہ کام کرتا ہے اس کی کچھ سزا نہیں مگر دنیا کی زندگی میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں پہنچائے جائیں (گے) اور اللہ تمہارے کام سے بے خبر نہیں۔ ❷ (یہ) وہی ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی آخرت دے کر خریدی سو ان پر عذاب نہ ہلکا ہوگا اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔ (۱) اور موسیٰ کو ہم نے کتاب دی اور اس کے پیچھے پے در پے رسول بھیجے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو صریح معجزے دیے اور اس کو پاک روح سے قوت دی پھر بھلا جب تمہارے پاس کوئی رسول (وہ احکام) لایا جو تمہارے جی نے نہ چاہا (تو) تم تکبر کرنے لگے پھر (تم نے) (ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو مار ڈالتے (تھے) (۲) ❸ اور کہتے ہیں ہمارے دل پر غلاف ہے، یوں نہیں (بلکہ) اللہ نے ان کے انکار سے لعنت کی ہے سو کم یقین لاتے ہیں۔ (۳) ❹ اور جب ان کو اللہ کی طرف سے کتاب پہنچی (جو) ان کے پاس والی کو سچا بتاتی ہے اور (وہ) پہلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے پھر جو پہچان رکھا تھا جب ان کو پہنچا (تو) اس سے منکر ہوئے سو منکروں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۴) ❺ اپنی جان کے (بدلے) برا مول خرید کیا کہ اللہ کے اتارے (ہوئے) کلام سے منکر ہوئے اس ضد پر کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے ❻ اپنا فضل اتارے سو غصے پر غصہ کما لائے ❼ اور منکروں کو ذلت کا عذاب ہے۔ اور جب ان کو کہیے اللہ کا اتارا کلام مانو، کہیں جو اترا ہم پر ہم مانتے ہیں اور جو اس سے پیچھے آیا وہ ہم نہیں

وَ لَقَدْ جَآءَکُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ
بَعْدِہٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (۹۲) وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَ رَفَعْنَا
فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا
سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْعِجْلَ
بِکُفْرِہِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ بِہٖۤ اِیْمَانُکُمْ اِنْ کُنْتُمْ
مُّؤْمِنِیْنَ (۹۳) قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ عِنْدَ اللّٰہِ
خَالِصَۃً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ (۹۴) وَ لَنْ یَّتَمَنَّوْہُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْہِمْ ؕ وَ اللّٰہُ
عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ (۹۵) وَ لَتَجِدَنَّہُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی
حَیٰوۃٍ ۚ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۚ یَوَدُّ اَحَدُہُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ
سَنَۃٍ ۚ وَ مَا ہُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ؕ وَ اللّٰہُ
بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ (۹۶) ۞

مانتے اور وہ اصل تحقیق ہے ان کے پاس والے کو سچ بتاتا ہے، کہہ اگر تم ایمان رکھتے تھے (تو) پھر کیوں پہلے سے نبی اللہ کو مارتے رہے ہو۔ ❽ اور تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر آ چکا پھر تم نے اس کے پیچھے بچھڑا بنا لیا اور تم ظالم ہو۔ اور جب ہم نے تمہارا اقرار لیا اور تم پر پہاڑ اونچا کیا (کہ) جو ہم نے تم کو دیا زور سے پکڑو اور سنو، بولے ہم نے سنا اور نہ مانا اور ان کے دلوں میں کفر کے مارے وہ بچھڑا رچ رہا، تو کہہ تم کو تمہارا ایمان برا کچھ سکھاتا ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ ❾ تو کہہ اگر تم کو اللہ کے ہاں اور لوگوں کے سوا الگ آخرت کا گھر ملنا ہے تو تم اگر سچ کہتے ہو (تو) مرنے کی آرزو کرو۔ ❿ (۵) اور یہ کبھی آرزو نہ کریں گے اس واسطے (کہ) ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ گنہگاروں کو خوب جانتا ہے۔ اور تو ان میں سب لوگوں سے زیادہ جینے کی حرص دیکھے (گا) اور شریک پکڑنے والوں سے بھی، ایک ایک چاہتا ہے کہ ہزار برس کی عمر پائے۔ ⓫ اور اس کو اتنا جینا عذاب سے کچھ (بھی) سِرکا نہ دے گا اور جو کرتے ہیں اللہ دیکھتا ہے۔ (۶)

احسن الفوائد

❶: یہود نے مشرکین سے عہد کیا تھا کہ وہ ان کی مدد کیا کریں گے۔ اُس عہد کے موافق وہ مشرکین کی باہمی لڑائی میں شریک ہوا کرتے تھے اور مشرکین کے قیدیوں کو روپیہ دے کر چھڑا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ قیدیوں کو قید سے چھڑا دینے کا ہم کو توریت میں حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُن کو یوں قائل کیا کہ جہاں توریت میں قیدیوں کے چھڑانے کا ذکر ہے وہیں زمین میں فساد برپا نہ کرنے کا بھی ذکر ہے۔ پھر تم مشرکوں کی خانہ جنگی میں احکام توریت کے خلاف کیوں شریک ہوتے ہو، اس طرح توریت کا ایک حصہ قابل عمل اور دوسرے حصہ کو کیوں ناقابل عمل ٹھہراتے ہو۔

❷: یعنی اپنی قوم کے لوگ غیروں کے ہاتھ پھنس جائیں تو چھڑانے کو جاتے ہو، لیکن خود اُن کے ستانے میں کمی نہیں کرتے۔ اگر خدا کے حکم پر چلتے ہو تو دونوں جگہ چلو۔

❸: جبرائیل کو روح القدس کہتے ہیں جو ہر وقت اُن کے ساتھ رہتے تھے۔

❹: یہود اپنی تعریف میں کہتے تھے کہ ہمارے دل پر غلاف ہے، یعنی سوائے اپنے دین کے اور کسی کی بات ہم کو اثر نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق بات کا اثر نہ کرنا لعنت کی نشانی ہے۔

غلاف سے یہود نے دو مطلب رکھے تھے: ایک تو یہ کہ دین محمدی کی باتیں ماننے سے ہمارے دل ایسے ڈھکے ہوئے ہیں جس طرح غلاف میں کوئی چیز ڈھکی ہوتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل شریعت موسوی سے اس طرح بھرے ہوئے ہیں جس طرح غلاف میں کوئی چیز سماجاتی ہے۔ اس لیے ہم کو شریعت محمدی کی ضرورت نہیں نہ ہمارے دلوں میں اُس کی گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی ان غلط باتوں پر لعنت کی اور یہ آیت نازل فرمائی۔

❺: جب کافروں کا غلبہ دیکھتے تو دعا مانگتے کہ عنقریب نبی آخر الزماں پیدا ہوں گے۔ جب پیدا ہوئے تو آپ منکر ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ کے پیدا ہونے سے پہلے توریت میں آپ کے اوصاف دیکھ کر یہود لوگ آپ کے نام کی برکت سے لڑائی کے وقت فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔ آپ کے پیدا ہونے اور نبی ہونے کے بعد

آپ کی نبوت کے منکر ہوگئے، اس لیے اُن کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

❻: کیوں کہ اُن کا کفر اس حسد کی وجہ سے تھا کہ نبوت کا منصب ہماری ہی قوم یعنی بنی اسرائیل میں ہونا چاہیے تھا دوسری قوم میں کیوں ہوا۔

❼: غصے پر غصہ کا یہ مطلب ہے کہ اوّل انہوں نے حضرت عیسیٰ کا انکار کیا اُس پر خدائے تعالیٰ کا غصہ بھڑکا، پھر آخری دور میں محمد ﷺ کا انکار کیا۔ اُس پر خدائے تعالیٰ کا اور بھی زیادہ غصہ بھڑکا۔

❽: چوں کہ یہ لوگ اپنے بزرگوں کے افعال سے ناراض نہ تھے بلکہ اُن کی نسل میں ہونے کا فخر کرتے تھے۔ لہٰذا یوں فرمایا کہ تم خدا کے پیغمبروں کو کیوں قتل کر ڈالتے ہو؟

یہاں سے یہ مسئلہ مستنبط ہوسکتا ہے کہ جو آدمی کسی گناہ سے راضی ہو گو اُس کو عمل میں نہ لائے تو اس کو بھی ایسا ہی گناہ ہوتا ہے جیسا کرنے والے کو۔ چناں چہ یہی مضمون ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ

اذا عملت الخطیئة فی الارض من شهدها فکرهها کان کمن غاب عنها ومن غاب عنها فرضیها کان کمن شهدها۔

''یعنی رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی جگہ کوئی گناہ کا کام ہو رہا ہو تو جو شخص وہاں موجود ہے مگر حتی المقدور اُس سے انکار ونفرت کر رہا ہے تو ایسا شخص گویا وہاں موجود نہیں۔ اور جو شخص وہاں سے غائب ہے مگر اُسے دل سے چاہتا ہے تو ایسا شخص گویا وہاں موجود ہی ہے۔''

❾: یعنی ظاہر میں کہا کہ ہم نے مانا اور چھپے کہا کہ نہ مانا۔

❿: کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوائے کوئی نہ جائے گا اور ہم کو عذاب نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم یقیناً بہشتی ہو تو مرنے سے کیوں ڈرتے ہو؟

⓫: ہزار برس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر ہزار سے زیادہ عمر ہو تو چھوٹ جائے گا۔ یعنی اس موقع پر ہزار کا لفظ حصر کے واسطے نہیں بلکہ مبالغۃً ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی کتنی ہی عمر دیا جائے مگر عذابِ الٰہی سے چھوٹ نہیں سکتا۔

احادیث التفاسیر

(ف۱): مدینہ کے یہودی تین فریق پر مشتمل تھے۔ بنوقینقاع، بنونضیر۔ یہ دونوں تو قبیلہ خزرج کے ہم معاہدہ تھے۔ تیسرے بنوقریظہ قبیلہ اوس کے ہم معاہدہ تھے۔

اوس اور خزرج دونوں قبیلوں میں مدت سے لڑائی اور عداوت چلی آتی تھی، جب ان کی آپس میں لڑائی ہوتی یہودی اپنے اپنے عہد والے قبیلہ کا ساتھ دیتے، چناں چہ اس میں یہودیوں کا قتل، لوٹ مار اور جلاوطنی سب کچھ ہوتا اور بعض قید بھی ہوجاتے۔ جب لڑائی ختم ہوجاتی تو اپنے بھائی بند یہودیوں کو مخالف کے ہاتھ فدیہ دے کر قید سے چھڑا لیتے اور یوں کہتے کہ ہماری کتاب میں اپنے بھائیوں کی مدد کرنے اور اُن کو تکلیف سے چھڑانے کا حکم ہے۔

اللہ پاک نے ان آیتوں میں ان پر یہ الزام لگایا کہ تمہاری کتاب میں بھائیوں کا قتل کرنا، لوٹنا اور جلاوطن کرنا بھی تو منع اور حرام لکھا ہے۔ پھر جس وقت ان کو مارنے اور نکالنے وغیرہ جرم میں شریک ہوتے ہو اس وقت کتاب کا حکم کہاں چلا جاتا ہے؟ یا کسی مسئلے پر ایمان رکھتے ہو اور کسی مسئلے پر ایمان نہیں رکھتے۔

ان آیتوں میں صرف عمل نہ کرنے کو یوں فرمایا کہ تم اللہ کی کتاب کا انکار کرتے ہو اور اس پر آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔

اب صدہا مسلمان آدمی یوں کہہ دیا کرتے ہیں کہ خیر ہمارے عمل برے ہیں یا نماز روزہ ہم سے نہیں ہوتا ہے، لیکن دل سے سب کو حق جانتے ہیں۔ اُن کو چاہیے کہ ان آیتوں میں خوب غور کریں۔

(ف۲): صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ روح القدس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اس کی دلیل، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿نزل به الروح الامین o علی قلبك لتکون من المنذرین﴾

اور بخاری میں تعلیقاً آیا ہے:

((اللهم اید حسان بروح القدس)) وفی بعض الروایة ((اهجهم والجبرئیل معك))

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اے اللہ! حسان کی مدد کر

روح القدس کے ساتھ۔'' ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ'' تو کافروں کی مذمت کر اور جبرائیل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں۔''

بعض قول اور بھی ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا روح القدس وہ اسم اعظم ہے جس کے ذریعہ سے عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

بعض نے کہا روح محافظ ملائک کا نام ہے۔

مجاہد و حسن نے کہا''قدس'' اللہ پاک ہے۔ جبرائیل علیہ السلام ''روح'' ہیں۔

کسی نے کہا روح انجیل ہے جس طرح قرآنِ مجید کو روح کہا ہے:

﴿ و كذلك اوحينا اليك روحا من امرنا ﴾

(ف ۳): یہودی اپنی تعریف میں کہتے تھے کہ ہمارے دل پر غلاف ہے، یعنی سوائے اپنے دین کے کسی کی بات ہمارے دل پر اثر نہیں کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق بات اثر نہ کرے یہ تعریف نہیں بلکہ لعنت کا نشان ہے۔

(ف ۴): خیبر کے یہودی جب بنوغطفان سے لڑتے اور ان سے شکست کھاتے تو اس موقع پر یہ دعا کر کے پناہ پکڑتے کہ'' یا اللہ اس نبی امی کی برکت سے جس کا ہم سے آخر زمانہ میں پہنچنے کا وعدہ کر رکھا ہے ہم کو فتح دے۔'' پھر لڑتے تو فتح ہو جاتی۔ اب جو وہ نبی ﷺ پیدا ہوئے تو ان کے منکر ہو گئے۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ یہودی اوس اور خزرج سے لڑتے وقت رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک لے کر فتح کی دعا کیا کرتے تھے، لیکن اب ان کی آمد پر منکر ہوئے۔

معاذ بن جبل، بشر بن براء اور داؤد بن سلمہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اے یہودیو! اللہ پاک سے ڈرو تم تو ان کا نام اور صفتیں ہمارے سامنے بیان کر کے کہا کرتے تھے کہ وہ آئیں گے اور ہم ان کے ساتھ ہو کر تم پر فتح پائیں گے اب کیا ہو گیا؟ بنونضیر کے ایک شخص سلام بن مشکم نے کہا یہ وہ نہیں ہیں جن کا ہم ذکر کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ف ۵): ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ جنت میں وہی جائے گا جو یہودی ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ اگر حقیقت میں تم سچ مچ یہی عقیدہ رکھتے ہو تو بھلا موت کی دعا تو کرو!

(ف ٦): اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت سے ڈرنا بد دینوں کی نشانی ہے۔ مسلمان کو موت کی دعا کرنی تو ہماری شریعت میں منع ہے، لیکن موت کو یاد رکھنے اور اس کے واسطے ہر وقت مستعد اور تیار رہنے کی بڑی تاکید ہے۔ ابن عمر سے مرفوعاً روایت ہے:

((اكثروا ذكر هاذم اللذات يعنى الموت))

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہت یاد رکھا کرو لذتوں کو توڑنے والی یعنی موت کو۔''

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

ان رجلا قال للنبى ﷺ اى المؤمنين افضل ؟ قال ((احسنهم خلقا)) قال فاى المؤمنين اكيس ؟ قال ((اكثرهم للموت ذكرا او احسنهم لما بعده استعدادا اولئك الا كياس))

''یعنی کسی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مسلمانوں میں بہتر اور افضل کون ہے؟ فرمایا: جو اچھے خلق والا ہو۔ اس نے پوچھا زیادہ عقل مند اور سمجھ دار کون ہے؟ فرمایا: جو موت کو زیادہ یاد رکھتا ہے اور آخرت کی تیاری میں زیادہ مصروف ہو۔''

ضحاک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ لفظ منقول ہیں:

قال رجل يا رسول اللّٰه من ازهد الناس ؟ فقال ((من لم ينس القبر واليلى وترك افضل زينة الدنيا واثر ما يبقى على ما يفنى ولم يعد غدا من ايامه وعد نفسه من الموتى))

''یعنی ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ زاہد یعنی آخرت کی محبت اور دنیا سے بے رغبتی کرنے والے کی کیا نشانی ہے؟ فرمایا: سب سے بہتر زاہد وہ ہے جو قبر کو اور مٹی ہو جانے کو کسی وقت بھی نہ بھولے (ہر وقت یاد رکھے)۔ دنیا کے بناؤ سنوار کو چھوڑ دے (دنیا سے بے پرواہ ہو)۔ آخرت کی فکر میں لگا رہے اور یہ بھروسہ رکھے کہ کل تک میں زندہ نہ رہوں گا اور اپنے آپ کو مردوں میں گن رکھے (یعنی موت کو ایسا قریب سمجھے کہ گویا آ ہی پہنچی)۔''

درسِ حدیث

توفیق الباری

" الادب المفرد " للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

٥٦٢۔ حدَّثنا صالح بيّاع الأكسية، عن جدته قالتُ: رأيتُ عليًا رضی اللّٰه عنه اشترىٰ تَمراً بدرهَمٍ فحمَلَهُ فی ملحفتِهِ، فقلتُ لهُ ...... أو قالَ لهُ رجلٌ: أَحْمِلُ عنكَ يَا أميرَ المؤمنين؟ قال: لا، أبو العِيَالِ أحَقُّ أنْ يَحْمِلَ ۔ (ضعيف الاسناد فی اسناده صالح وجدته مجهولان)

''حضرت صالح پارچہ فروش اپنی دادی سے روایت بیان کرتے ہیں وہ کہتی ہیں، میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے ایک درہم کی کھجوریں خریدیں اپنے تھیلے میں ڈال کر اٹھائیں۔کسی نے کہا امیر المومنین میں اٹھا لیتا ہوں۔آپ نے کہا نہیں صاحب عیال کو خود اپنا بوجھ اٹھانا چاہیے۔''اس کی سند ضعیف ہے اس سند میں صالح اور اس کی دادی دونوں مجہول ہیں۔

٥٦٣۔ عن أبی سعيدٍ الخدریّ وأبی هريرةَ، عن النَّبیِّ ﷺ قَالَ: ((العِزُّ إِزَارَهُ، والكِبْرِيَاءُ رِدَاؤُهُ، فَمَنْ نَازَعَنِیْ بِشَیْءٍ منهُمَا عَذَّبْتُهُ))

''ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے عزت میری ازار ہے اور کبریائی میری چادر ہے۔جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرے گا (ان کو اپنی طرف کھینچے گا خود بڑا بن جائے گا) میں اس کو سخت عذاب دوں گا۔''

٥٦٤۔ عن الهيثمِ بنِ مالكٍ الطّائیّ قال: سمعتُ النُّعْمَانَ بْنَ بشيرٍ يقولُ على المنبر قال: إنّ للشّيطانِ مَصَالیَ وَفخُوخاً، وإن مَصَالیَ الشّيطانِ وفخُوخَهُ البَطَرُ بِأنْعُمِ اللّٰهِ، والفَخْرُ بعَطاءِ اللّٰهِ، وَالكِبْرِيَاءُ على عِبَادِ اللّٰهِ، واتِّبَاعُ الهَوَىٰ فی غيرِ ذَاتِ اللّٰهِ ۔

''ہیثم بن مالک طائی سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں میں نے نعمان بشیر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا شیطان کے پاس مکر وفریب کے جال اور شکار کرنے کے بہت سے آلات ہیں بے شک شیطان کے شکار کرنے کے آلات اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر سرکشی کرنا ہے اور اللہ کی عطا پر فخر کرنا ہے اور اللہ کے بندوں پر بڑائی جتاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی اتباع کرنا ہے۔''

٥٦٥۔ عن أبی هريرةَ، عن النَّبیِّ ﷺ قالَ: ((احتَجَّتِ الجَنَّةُ وَالنّارُ ...... وقالَ سفيانُ أيضاً: اختَصَمَتِ الجنَّةُ والنّارُ ...... قالتِ النّارُ: يَلِجُنِی الجَبَّارُونَ وَيَلِجُنی المُتَكَبِّرُونَ، وَقالتِ الجَنَّةُ: يَلِجُنِی الضُّعَفَاءُ وَيَلِجُنِی الفُقَرَاءُ، قالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعالىٰ لِلجنّة: أنتِ رَحْمَتِی أرْحَمُ بِكِ مَنْ أشَاءُ، ثُمَّ قالَ للنّارِ: أنتِ عَذَابی، أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أشَاءُ وَلِكُلِّ وَاحِدةٍ منكُمَا مِلْؤُهَا)) [صحيح البخاری]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت اور دوزخ آپس میں بحث اور

سفیان نے کہا جنت اور دوزخ نے آپس میں جھگڑا کیا۔ دوزخ نے کہا مجھ میں جبار اور متکبر داخل ہوں گے اور جنت نے کہا مجھ میں ضعفاء وفقراء داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے جسے چاہوں گا تیرے ذریعے اس پر رحم کروں گا اور جہنم سے کہا تو میرا عذاب ہے جسے میں چاہوں گا تیرے ذریعے عذاب دوں گا میں تم دونوں کو بھر دوں گا۔''

فائدہ: اس حدیث میں تعیین ہے اہل جنت ونار کی اور وعدہ ہے دونوں کے مملو ومشحون کرنے کا نسال اللہ الجنة ونعوذبه من النار۔ آمین۔

٥٦٦۔ عن عبدِ الرَّحمٰن قال: لم يكنْ اصحَابُ رسولِ اللّٰه ﷺ مُتحزّقِينَ ولا مُتَمَاوِتِينَ، وَكَانُوا يَتَنَاشَدُونَ الشِّعْرِ فِي مَجَالِسِهِمْ، وَيَذْكُرُونَ أَمْرَ جَاهِلِيَتِهِمْ، فَإِذَا أُرِيدَ أحدٌ منهم على شيءٍ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ دَارَتْ حَمَالِيقُ عَيْنَيْهِ كَأَنَّهُ مَجْنُونٌ !۔

''حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں اصحاب محمد زاہد، خشک، ترش رو اور مردہ دل نہ تھے۔ وہ اپنی مجلسوں میں شعر وشاعری کیا کرتے تھے اور امر جاہلیت کے دور کو یاد کیا کرتے تھے۔ اگر ان سے کسی کو اللہ کے معاملہ میں راہ حق سے ہٹانے کی کوشش کی جائے تو اس کی آنکھوں کے ڈھیلے گھومنے لگتے، غصہ کی وجہ سے وہ پاگل ہو جاتے۔''

فائدہ: تماوت کہتے ہیں اظہار تخافت وتضاعف کو عبادت وزہد وصوم میں ابن عمر نے ایک شخص کو سرنگوں دیکھ کر کہا ارفع راسك فان الاسلام ليس بمريض مریض سر اونچا کر اسلام کچھ بیمار نہیں ہے۔ ایک شخص کو دیکھا وہ متماوت ہے اس سے کہا لا تمت علينا ديننا اماتك الله یعنی مت مار ہمارے دین کو اللہ تجھے مارے۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے کسی ایک شخص کو دیکھا لگتا تھا کہ تخافت سے مرجائے گا کہا اس کو کیا ہوا ہے کہا یہ منجملہ قرآء کے ہے۔ کہا حضرت عمر سید القراء تھے اور جب چلتے تو تیز چلتے اور کہتے تو سناتے اور جب مارتے تو دردناک کرتے۔

[نواب صاحب]

٥٦٧۔ عن أبي هريرةَ، أنّ رجلًا أتَى النَّبِيَّ ﷺ ...... وَكَانَ جَمِيلًا ...... فَقَالَ: حُبِّبَ إِلَيَّ الجَمَالُ وَأُعْطِيتُ مَا تَرٰى، حَتّى مَا أُحِبُّ أَنْ يَفُوقَنِي أحدٌ ...... إِمَّا قَالَ: بِشِرَاكِ نَعْلٍ، وإمَّا قَال: بِشِسْعِ أَحْمَرٍ ...... أَلْكِبْرِ ذَاكَ؟ قَالَ: ((لَا، وَلَكِنّ الكِبْرَ مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَغَمِطَ النَّاسَ))

''ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا وہ خوب صورت وجمیل تھا۔ اس نے کہا میں خوبصورتی کو پسند کرتا ہوں اور مجھے حسن جمال عطا بھی ہوا ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ کوئی شخص مجھ سے اس میں بڑھ جائے چاہے کہ جوتے کے ایک تسمہ یا چپل کی سرخ تھنی میں۔ کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں لیکن تکبر یہ ہے کہ حق کے مقابلے میں اکڑ دھانی کی جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔''

٥٦٨۔ عن عَمْرو بن شُعيب، عن أبيه، عن جدّه، عن النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فی صُورَةِ الرِّجَالِ، يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ، يُسَاقُونَ إِلٰى سِجْنٍ مِنْ جهنَّمَ يُسَمّٰى بُولَس، تَعْلُوهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ، وَيُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ، طِينَةَ الخَبَالِ))

''عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن متکبر لوگوں کو چیونٹیوں کی مانند مردوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا ہر طرف سے ان پر ذلت چھائی ہوگی وہ ہانکے جائیں گے جہنم کے قید خانہ کی طرف جس کا نام بولس ہے۔ آگوں کی آگ سب سے بڑی آگ انہیں گھیرے ہوگی اور دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ (لہو اور پیپ) ان کو پلایا جائے گا جس کو طینۃ الخبال کہتے ہیں۔''

فائدہ: اس حدیث میں انجام اہل کبر کا اور مقام ان کی بود وباش کا اور غذا ان کی مذکورہ ہے۔ نسأل الله العافية [نواب صاحب]

دفاعِ حدیث

اصل ثانی (سنت) کی مختصر توضیح

حافظ عثمان فاروقی (مدرس دارالعلوم ضیاء السنہ، راجہ جنگ)

سنت کی لغوی تعریف:

السنة فی اللغة العربیه هی الطریقة محمودةً کانت امر مذمومة وهی ماخوذة من السنن وهی الطریق۔

''سنت لغت عربی میں وہ طریقہ ہے جو اچھا ہو یا برا ہو اور یہ سنن سے ماخوذ ہے۔ نیز اس کو طریق (راستہ) بھی کہتے ہیں۔'' [لسان العرب، مادہ سنن]

اصطلاحی تعریف:

ما اثر عن النبی من قول او فعل او تقریر او صفة خلقیة، او خلقیة او سیرة سواء کان قبل البعثة او بعدها وهی بهذا ترادف عند بعضهم۔

''وہ قول، فعل یا تقریر، طبعی صفت یا کوئی عادت وسیرت جو نبی ﷺ سے منقول ہو بعثت سے قبل کی ہو یا بعد کی۔ نیز بعض کے نزدیک یہ (سنت) حدیث کے ہم معنی ہے۔''

سنت اور حدیث میں فرق:

سنت حدیث کے ہم معنی ہے جیسا کہ تعریف بالا میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اصولی حضرات نے حدیث کی بھی وہی تعریف کی ہے جو سنت کی کی ہے۔ ملاحظہ ہو: "السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی" لسباعی، ص: ۴۷۔ "تیسیر مصطلح الحدیث" لدکتور محمود الطحان، طبع ریاض، ص: ۱۴

دوسری بڑی دلیل:

سنت اور حدیث کے ہم معنی ہونے کی ایک واضح اور جامع دلیل یہ ہے کہ محدثین نے اپنی کتب احادیث کو ''سنت'' کے نام سے موسوم کیا ہے، مثلاً:

سنن اربع (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجه)، سنن الکبریٰ للبیهقی، سنن سعید بن منصور، سنن دارمی، سنن دارقطنی، معرفة الآثار ولسنن، شرح السنة وغیرہ۔ یاد رہے کہ خطیب بغدادی کی معروف کتاب "الکفایه فی علم الحدیث" کا پہلا باب: باب ما جاء فی السنویة بین حکم کتاب الله وحکم سنت رسول الله ......اور دوسرا باب: باب تخصیص السنن لعموم حکم القرآن ......

اس چیز کی ایک واضح دلیل ہے اور خطیب نے ان دونوں بابوں میں ایسی چیزیں پیش کی ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ حدیث اور سنت ہم معنی ہیں۔ مزید براں خطیب نے اپنی اس کتاب میں سنت اور حدیث کے لفظ کو ہم معنی استعمال کیا ہے۔

سنت وحدیث پر چند اعتراضات اور ان کا جائزہ:

بعض گمراہ قسم کے اور حدیث کا انکار کرنے والے لوگوں (امین احسن اصلاحی، غامدی وغیرہ) کا زعم باطل ہے کہ حدیث اور سنت کے مابین زمین وآسمان جتنا فرق ہے اور ان کی موٹی موٹی دلیل بالاختصار مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی دلیل: حدیث روایت وخبر ہے جب کہ سنت نبی ﷺ کا طریقہ ہے۔

دوسری دلیل: حدیث قول وتثویب سے متعلق ہے اور سنت قول وعمل سے متعلق ہے۔

تیسری دلیل: حدیث ظنی ہے اور اس میں صدق وکذب کا احتمال ہے جب کہ سنت قطعی ہے اور اس میں صدق وکذب کا احتمال نہیں۔

چوتھی دلیل: حدیث میں صرف خبر واحد ہی خبر واحد ہے جب کہ سنت میں تواتر ہی تواتر ہے۔

پانچویں دلیل: حدیث کا تعلق محض اعتقادی وعملی نوعیت کے امور مثلاً ایمانیات تاریخ، شان نزول وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ سنت کا تعلق تمام تر عملی زندگی سے ہے۔

اس باطل نظریے کی تردید فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ نے بایں الفاظ کی (جو ماہنامہ محدث میں چھپے ہیں۔)

حدیث اور سنت میں آسمان وزمین جتنا فرق قرار دینا تین چیزوں سے خالی نہیں۔ یا تو یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے، یا ان کے نزدیک سلف ومحدثین کی اصطلاح ہے، یا پھر یہ دین کا مسئلہ ہے۔

اگر ''حدیث اور سنت میں فرق'' دین کا مسئلہ ہے تو ان پر لازم تھا کہ کتاب اللہ سے کوئی دلیل پیش کرتے، یا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے کوئی متواتر چیز اس فرق کے اسباب میں پیش کرتے کیوں کہ فرق والا یہ مسئلہ محض اعتقادی وعلمی نوعیت کا ہے جس کے لیے ان کے نزدیک اخبار آحاد کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ اس سے قطع نظر اخبار آحاد سے ہی کوئی دلیل پیش کرتے۔

تاہم اس سے رجوع فرما کر اگر یہ کہہ دیں کہ یہ سلف صالحین کی اصطلاح ہے تو ظاہر ہے اس فرق کو ثابت کرنے کے لیے سلف ومحدثین کے اقوال پیش کرنا ہوں گے۔ تو پتا چلا کہ ''حدیث اور سنت میں فرق'' ان کی اپنی اصطلاح ہے۔

سنت اور قرآن کا تقابل:

قرآن اللہ کی وحی ہے اور سنت (جو حدیث کے ہم معنی ہے) بھی اللہ کی وحی ہے۔ چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ان هو إلا وحى يوحى ﴾

قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے اور سنت کی حفاظت بھی اللہ کے ذمے ہے۔ دلیل:

﴿ انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحفظون ﴾

''ہم نے قرآن وسنت کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

مذکورہ بالا آیت میں ''ذکر'' سے مراد قرآن اور سنت دونوں ہیں جیسا کہ دوسرا مقام ملاحظہ ہو:

﴿ وذكر فان الذكرى تنفع المؤمنين ﴾ [الذاريات:٥٥]

یہاں ذکر سے مراد سنت قولی ہے جو ﴿ انا نحن نزلنا الذكر ﴾ کے لفظ ذکر کی توضیح پر دال ہے۔

قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اور سنت کی بھی تلاوت کی جاتی ہے۔ دلیل:

﴿ واذكر ما يتلى فى بيوتكن من آيات الله والحكمة﴾ [الاحزاب:٣٤]

نیز ﴿ يعلمهم الكتاب والحكمة ﴾ [الجمعة:٢]

امام شافعی، یحییٰ بن کثیر اور قتادہ وغیرہم فرماتے ہیں: حکمت سے مراد سنت ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر جو چیز پڑھی جاتی ہے وہ یا قرآن ہے یا پھر سنت ہے۔ [الرسالہ، ص:٧٨۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ص:١٧]

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سنت کی قرآن کے ساتھ تین صورتیں ہیں:

① ..... یہ کہ سنت ہر جہت سے قرآن کے مطابق ہو، ایسی صورت میں قرآن اور سنت کا باہم اکٹھا ہو جانا ایسے ہی ہے جیسے ایک حکم کے بہت سے دلائل اکٹھے ہو جائیں۔

② ..... سنت قرآن کے کسی حکم کی وضاحت کردے۔

③ ..... سنت کسی ایسے حکم کو واجب کردے جس کے وجوب پر قرآن نے خاموشی اختیار کی ہے۔ سنت ان تینوں صورتوں سے باہر نہیں۔ لہٰذا کسی بھی صورت قرآن کے معارض نہیں اور اس کا جو حصہ قرآن سے زائد ہوگا وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے شرعی حیثیت رکھتا ہے جس کی اطاعت واجب ہے اور معصیت جائز نہیں۔ [اعلام الموقعين: ٣٠٧/٢]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے سنت پر عمل کیا اس نے اللہ کے حکم کو مانا۔'' [الرسالة: ١٠٥]

باعتبار عمل سنت کی اقسام:

باعتبار عمل سنت کی دو قسمیں ہیں: سنت وجوبی، سنت استحبابی

(ا......سنت وجوبی ایسی سنت جس پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہو ترک کی صورت انسان گناہ کا مرتکب ٹھہرایا جائے۔ جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ نیز بعض احادیث صحیحہ میں لفظ ''سنت'' بھی وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ قبل المغرب، رقم:۱۱۸۳، میں حدیث ہے:

صلوا قبل صلوۃ المغرب قال فی الثالثه لمن شاء کراهیة ان یتخذها الناس سنة ۔

''مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت نماز پڑھو تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا: جو چاہے پڑھے اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ لوگ اسے سنت (یعنی واجب) پکڑ لیں گے۔ یہاں ''سنت'' سے مراد سنت وجوبی ہے۔''

ب: سنت استحبابی اس کی بھی دو قسمیں ہوئیں:

① ......سنت مؤکدہ۔ ② ......سنت غیر مؤکدہ

① ......سنت مؤکدہ: جس پر شریعت نے زور دیا ہو جب کہ رخصت بھی شامل حال ہو، جیسا کہ مسواک ہے۔ آپ کی خواہش تھی کہ ہر نماز اور وضو کے ساتھ اس کا حکم دیا جائے لیکن وجوب کے ڈر سے آپ نے ایسا نہیں کیا۔

② ......سنت غیر مؤکدہ: ایسی سنت جس پر عمل ثواب کا باعث ہو جب کہ اس میں عام رخصت بھی موجود ہو۔

اہل سنت والجماعت کون ہیں:

ہر وہ شخص جو سنت کا شیدائی نبی ﷺ کا متبع اور قرآن وسنت کا داعی ہے ''اہل سنت والجماعت'' ہے۔ رہا وہ شخص جو قرآن وسنت سے درکنار احمد رضا خان بریلوی وامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا متبع ومقلد ہے وہ بریلوی یا دیوبندی ہے اہل سنت یا سنی نہیں ہوسکتا۔ چناں چہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مذهب اهل السنة والجماعة مذهب قدیم، معروف قبل ان یخلق الله ابا حنیفة ومالکاً والشافعی واحمد فانه مذهب الصحابة الذین تلقوه من نبیهم ۔ [منهاج السنة: ۲/ ٤٨٢]

''اہل سنت والجماعت کا مذہب قدیم ہے معروف ہے۔ اس سے پہلے کا ہے جب اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد وغیرہم کو پیدا کیا تھا۔ یقیناً یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے اپنے نبی سے لیا ہے۔''

خلیل ہراس شرح عقیدہ واسطیہ (ص:۱۶) میں رقم طراز ہیں:

لکن اذا ذکر لفظ الجماعة مع السنة فقیل: اهل السنة والجماعة (کان المراد بها سلف هذه الامة من الصحابة والتابعین الذین اجتمعوا علی الحق الصریح من کتاب الله وسنة رسوله ۔

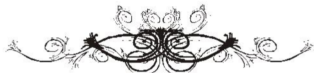
''لیکن جب لفظ جماعت اور سنت باہم مذکور ہوں تو ''اہل سنت والجماعت'' کا اطلاق کیا جائے گا اور اس سے مراد اس امت کے سلف ہوں گے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام ہیں جو واضح حق یعنی کتاب وسنت پر جمع ہوئے ہیں۔''

نیز حافظ ابن حجر رقم ہیں:

هم اهل العلم والفقه والحدیث من ائمة المجتهدین ۔ [فتح الباری، ج:۱۳، ص:۲۷]

''اہل سنت والجماعت'' اہل علم اور حاملین فقہ وحدیث ہیں جو کہ مجتہدین امام ہیں۔''

چناں چہ اہل سنت والجماعت کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہم کسی بدعتی کو ''اہل سنت'' تو نہیں کہہ رہے۔ اسی طرح بعض اہل حدیث سمجھتے ہیں وہ اہل سنت یا سنی نہیں۔ حالاں کہ یہ خام خیالی ہے۔ اہل سنت اور اہل حدیث ایک ہی چیز ہے جو ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں۔



قسط نمبر (۳)

تحقیق وتنقید

اسلام میں لونڈیوں کا نظام اور ہمارا میڈیا

پروفیسر عبدالرزاق ساجد،فیصل آباد

آقا اپنی لونڈی سے مباشرت کا مجاز کب ہوگا؟

جو شخص اسلام کو صرف عیش و دلدادگی کا دین سمجھتا ہے اسے یہ تو دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ بات حقیقت ہوتی تو اسلام اپنے پیروکاروں کو کس پابندی کے بغیر لونڈی سے جنسی تعلقات کی کھلی چھٹی دے دیتا۔

اگر اسلام عیش پرست ظالم مذہب تھا تو پھر جنسی تعلقات کے معاملہ میں وہ اپنے مردوں کی سوچ اور ذہنیت کو مقدم رکھتے ہوئے بعد از تقسیم بلا تاخیر و تعطل انہیں لونڈیوں سے مباشرت کی اجازت دے دیتا۔

اسلام اگر صرف اپنی اور اپنوں کی سوچ رکھنے والا دین ہوتا تو وہ اپنے مردوں پر کبھی پابندی نہ لگاتا جس کا ذکر آئندہ سطور میں آ رہا ہے۔

اگر اسلام صرف اور صرف وحشت ودہشت اور ظلم وعیاشی کا دلدادہ ہوتا تو وہ کبھی دشمن کی عورتوں، ان کی مجبوریوں، ان کے رحموں، اور ان میں پلنے والوں بچوں اور ان کے نسب کے تحفظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کبھی وضع حمل اور استبرائے رحم کی کڑی شرطیں عائد نہ کرتا۔

اسلام اگر اتنا ہی خود غرض دین ہوتا جتنا اسے باور کرایا جاتا ہے تو وہ اس لونڈی کے حمل، ایام نفاس کی رکاوٹوں اور استبراء کی وجوہات کو پیش نظر کیوں رکھتا؟

اگر صورت حال ایسے ہی ہوتی جیسے بیان کی جاتی ہے تو اسلام اتنی احتیاطیں کیوں برتتا؟ اور خصوصاً ایسے موقعہ پر صبر وحزم کا مظاہرہ کیسے کرتا کہ

جب سامنے ایسی عورت ہو جو دشمن اور مدمقابل قوم کی ہے۔
سامنے ایسی عورت ہے جس نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا ہے۔
سامنے ایسی عورت ہے جو مسلمانوں کی جانی دشمن رہی ہے۔
سامنے دیگر اقوام و مذاہب کی عورتیں ہوں۔ مرد کے سامنے جنس مخالف ہو۔ نگاہوں کے سامنے جنسی تعلق ہو، جوانی ہو، تنوع اور ورائٹی ہو، قید میں ہو، ہاتھوں میں ہو، ملکیت بھی ہو اور مجبور بھی ہو۔

جذبات ہوں، سینہ ہو، دل دھڑکتا ہو، ڈیمانڈ اور تقاضے موجود ہوں، روکنے والا کوئی نہ ہو۔ پھر وہ قیدی عورت، لونڈی اور کمزور پارٹی کی جہت کو غالب کرتے ہوئے اس کی طرف داری اور پاسداری کیوں کرتا؟

اسلام کے صبر وحوصلہ، عزت ووقار اور حزم واحتیاط کے ساتھ ساتھ دشمن کے حقوق کی پاسداری کی یہ نادر و نایاب مثال بھی ملاحظہ کیجیے کہ قیدی خواتین کی رجسٹریشن، نامی نیشن، الاٹمنٹ، اور باقاعدہ تقسیم وحوالگی کے بعد انہیں فوراً یہ اجازت نہیں دے دیتا کہ وہ ان سے مباشرت شروع کر دیں۔

کیا مخالفین اسلام اور اعدائے دین وملت، حقوق کی عالمی تنظیمیں، الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا، صحافی واینکرز اسلام کی اس خوبی کو بھی کبھی لوگوں کے سامنے ہائی لائٹ کریں گے؟

اسلام اپنے متبعین کی یہ تربیت کرتا ہے کہ اگر وہ عورت حاملہ ہے تو اس وقت تک اس سے قربت کی اجازت نہیں جب تک وضع حمل کا مرحلہ طے نہیں ہو جاتا۔

بات صرف وضع حمل اور بچے کی ولادت تک نہیں بلکہ جب تک وہ خاتون ایام نفاس کو پاس کر کے خود کو پاک وصاف نہیں کر لیتی تب تک اس سے مباشرت کا تصور بھی پیدا نہیں ہوتا۔

اس قدر رحمتوں، شفقتوں، محبتوں اور احتیاطوں کے باوجود لونڈی کو اتنے قانونی تحفظات فراہم کرنے کے باوجود کیا اسلام اب بھی

جنسیت اور وحشت ودہشت کا علم بردار ہے؟ کیا دیگر اقوام ان کی سپاہ وافواج اس طرح کی ادنی سی سوچ بھی رکھتی ہیں؟ وہ تمام طرح کی درندگیوں اور سفاکیوں کے باوجود مہذب ومتمدن ٹھہریں۔

اس پر مستزاد کہ لونڈی اگر چہ حاملہ نہ بھی ہو تو تب بھی اس سے اس وقت تمتع کی اجازت نہیں دیتا جب تک وہ استبرائے رحم کے مرحلہ سے گزر نہیں جاتی، یا ایک ماہواری گزار کی نہا دھو کر پاک نہیں ہو جاتی۔ اتنی نرمیوں، احتیاطوں، حفاظتوں اور قواعد وضوابط کی مراعات کے باوجود معلوم نہیں دنیا کو اسلام میں اور اہل اسلام میں پھر بھی درندگی کی بو کیوں آتی ہے؟

لونڈی سے حق مباشرت:

مزید برآں شریعت اپنے مجاہد وغازی یا فوجی وسپاہی کو صرف اسی عورت سے مباشرت کا حق دیتی ہے جو اسے مجاز اتھارٹی کی طرف سے قانوناً ملی ہو۔

کیا یہ حقوق نسواں، لونڈیوں کے حقوق، ان کی عزت وآبرو اور ناموس کی پاسداری کی مثال لازوال نہیں کہ حکومت کی طرف سے جو لونڈی جس مرد کے حصہ میں آئی ہو اس سے تمتع کا حق بھی صرف وہی رکھتا ہے۔

اسلام قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اسے لونڈی سمجھ کر جو مرضی، جب، جہاں اور جیسے اسے برت لے۔

بلکہ اسے کوئی دوسرا شخص ہاتھ نہیں لگا سکتا، اسے تنگ نہیں کر سکتا، اسے مجبور یا ہراساں نہیں کر سکتا۔ کیا اسلام کی اس عظمت وسربلندی کا مقابلہ دنیا کا کوئی اور مذہب کر سکتا ہے؟ یقیناً نہیں اور ان شاء اللہ تا قیامت نہیں۔

کیا حقوق کے نام نہاد علمبردار، کردار سے عاری، گفتار کے منہ زور گھوڑے پر سوار اپنے جھوٹے وزہریلے پروپیگنڈے کو لگام دیں گے؟ کیا اتنا کچھ ذرہ برابر بھی اچھائی اور خوبی نہیں، وہ ذرا اپنے اطوار وآثار پر تو نظر ڈالیں۔

لونڈیوں کی تعداد اور شریعت اسلامیہ کا امتیاز:

شریعت اسلامیہ کی عظمت وسربلندی کی ایک اور روشن دلیل یہ ہے کہ وہ بیک وقت ایک مرد کو چار سے زیادہ بیویوں سے شادی کی اجازت تو نہیں دیتی۔ مگر لونڈیوں کے حوالے سے اس پر تعداد کی کوئی حد مقرر نہیں کرتی۔

اسلام کی طرف سے لونڈیوں کی تعداد مقرر نہ کرنے میں حکمت ودانائی یہ ہے کہ جنگی احوال اور اسیر جنسی کے معاملات میں چوں کہ حالات کا تعین نہیں کیا جا سکتا اس لیے وہ کوئی ایسی حد بندی بھی مقرر نہیں کرتا جس سے کوئی پریشانی پیدا ہو۔ اور یہ اقسام اسلام کی حسن تدبیر کا وہ عظیم مظہر ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے اتنی ہی کم ہے۔

اسلام کے اس اقدام کی ایک اور خوب صورتی یہ ہے کہ وہ جنگی حالات کی وجہ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کو حسن انتظام کے ساتھ ہینڈل کرنا چاہتا ہے اور اپنے دامن کو اس داغ سے صاف رکھتا ہے کہ کہیں تعداد مقرر کر دی جائے۔ قیدی خواتین زیادہ ہوں تو مقررہ لونڈیاں پاس رکھ لی جائیں، اور باقی ماندہ کو عیش وعشرت کا سامان سمجھ کر شرفاء وامراء اور مال داروں کے ہاتھوں بیچ کر ابدی غلامی کی دلدل میں دھکیل دیا جائے، یا ان کی فروخت کی راہیں کھول کر اپنی تجوریوں کے منہ بھر لیے جائیں، یا بڑوں کے گھروں کو عیاشی کے مقام بنا دیا جائے، یا ان لونڈیوں کو دھندے اور کاروبار کا ذریعہ بنا کر کوٹھوں کی نذر کر دیا جائے۔

لونڈی کا نکاح یا ہبہ کرنا:

اسلام قیدی خاتون کو بوقت تقسیم جب کسی مسلمان مرد کی سپرداری میں دیتا ہے اور اسے اس کی لونڈی کا درجہ عطا کرتا ہے، اس کے تمام حقوق اس کے لیے جائز اور روا رکھتا ہے، وہیں اس مرد کو یہ ترغیب بھی دیتا ہے کہ

وہ اسے آزاد کر دے، اور دین اسلام سے اسے مشرف کرتے ہوئے اپنے نکاح میں لے آئے، یا وہ اسے لونڈی کے طور پر اپنے لیے مختص کر لے۔

اگر وہ جسمانی حقوق کی ادائیگی کے لیے خود کو اس کے لیے

مناسب نہیں سمجھتا، یا پھر وہ اس میں ضرورت محسوس نہیں کرتا، تو تب بھی شریعت اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتی۔ نہ تو شریعت اس عورت اور لونڈی کو مطلق العنانی دے کر فری ہینڈ دیتی ہے، اور نہ مالک کو یہ اجازت دیتی ہے کہ وہ اسے کرائے پر دے دے اور اس سے دھندہ کروائے۔

بلکہ اسے یہ ہدایت دیتی ہے کہ اگر وہ اسے اپنے لیے مختص نہیں رکھنا چاہتا تو کسی دوسرے کو ہبہ کر دے۔ مکمل طور پر یا پھر صرف جسمانی تعلقات کے حوالے سے، یا کسی دوسرے آزاد ضرورت مند کے نکاح میں دے دے۔ اگر کسی آزاد مرد کو ضرورت نہیں تو کسی غلام مرد سے اس کے نکاح کا اہتمام کر دیا جائے۔

لونڈی کی عزت و آبرو اور اسلام:

اسلام ان تمام مراحل میں جو سب سے اہم چیز مدنظر رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ اس لونڈی کا بطور عورت اور انسان ہونے کے یہ بنیادی حق ہے کہ اس کی عزت و آبرو اور ناموس و وقار کا مکمل لحاظ رکھا جائے، اور ہر سٹیج پر اس کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے اسے مکمل تحفظ دیا جائے۔

لہٰذا وہ اس لونڈی کے ساتھ ایک وقت میں صرف اور صرف ایک مرد کے تعلقات کو روا رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ وہ خواہ اس کا آقا ہو، اگر ایک عورت بطور لونڈی دو مردوں کے حصوں میں آئی ہو تو اسلام ان دونوں کو اس سے جسمانی تعلقات کی اجازت نہیں دیتا۔

اگر اسے ہبہ کیا جائے تو تب بھی صرف ایک مرد ہی اس کی جسمانی ضروریات کی تکمیل کا کفیل ٹھہرے گا۔

اگر آقا اپنی لونڈی کو کسی دوسرے مرد کے نکاح میں دے دے تو تب بھی وہ یہ حق نہیں رکھتا کہ چوں کہ وہ لونڈی اس کی ہے اور جب چاہے وہ بھی اس سے جسمانی تعلق کی ڈیمانڈ کر لے۔ اب ایسا نہیں ہوسکتا۔

کیا حقوق انسانی کی علمبرداری کی دعوے دار نام نہاد عالمی و مقامی تنظیمیں، جماعتیں، گروہ اور افراد کو اسلام کی یہ خوبی نظر نہیں آتی؟ کیا پھر بھی وہ برا ہے؟ اور عورت کو بیک وقت کئی کئی مردوں کے حوالے کرنے والے، جانوروں اور سوروں خنزیروں کی طرح عورت سے گینگ ریپ کرانے اور کرنے والے، اسے بار گرل، کال گرل، ماڈل گرل، سیکسی گرل کے نام پر دھندہ اور کاروبار کروانے والے پھر بھی اچھے ہیں؟

اسلام میں لونڈی کی ملکیت کی واپسی کا معاملہ:

شادی کے بعد، بیٹی کو بیاہ دینے یا کسی کے نکاح میں دے دینے کے بعد جس طرح والدین یا ولی کے پاس لڑکی کو واپس لینے کا حق نہیں رکھتا۔ کوئی قاضی، جج یا حکومت اسے بلاوجہ واپس نہیں دلا سکتی۔ اسی طرح لونڈی کی تقسیم و توزیع اور الاٹمنٹ کے بعد حکومت اسے اپنے کسی مجاہد، غازی، فوجی یا سپاہی سے واپس نہیں لے سکتی۔

اسی طرح حکومت لونڈی کو کسی فرد کی ملکیت میں دے دینے کے بعد بغیر کسی جائز اور شرعی عذر کے اس فیصلے کو کالعدم قرار نہیں دے سکتی۔

البتہ دورانِ تقسیم کسی ضروری، جائز اور شرعی امر کی بنا پر اس میں ردّ و بدل کر سکتی ہے۔ جیسا کہ سیدہ صفیہ کی تقسیم کے معاملے میں ہوا۔

اسی طرح مالک و آقا کی طرف سے ظلم و زیادتی، جور و عدوان یا لاقانونیت کا نوٹس لے سکتی ہے۔ مثلاً اگر وہ مالک اس لونڈی کے حق ناموس میں کسی کو ساجھی بنا کر شراکت دار بنا دے، یا اس لونڈی کو جسم فروشی اور دھندے پر مجبور کرے، تو شریعت اسلامیہ فوراً اس کے خلاف ضابطہ دین داری کی بنیاد پر ایکشن لے گی۔

لونڈی کے حقوقِ ملکیت کا انتقال اور اسلام:

شریعت مطہرہ کے مطابق جب حکومت کسی شخص کو کسی قیدی مرد و عورت کی ملکیت تفویض کر دیتی ہے تو وہ ان حقوق کا مالک بن جاتا ہے۔ اسے اپنے دیگر حقوق ملکیت کی طرح مالکانہ حقوق کی بنیاد پر اسے اپنے پاس رکھنے کا مکمل اختیار ہوتا ہے۔

اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حقوق کو ہبہ کرتے ہوئے کسی دوسرے کی سپرداری میں دے کر خود ان سے دستبرداری کر لے۔ اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ کسی کی سپرداری کی بجائے اپنے ان حقوق کو چھوڑتے ہوئے اسے آزاد کر دے۔

یا اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اس غلام یا لونڈی کے باقی تمام حقوق تو اپنے پاس رکھے لیکن حقوق مباشرت کسی دوسرے کو سونپ دے۔ مگر اس صورت میں پھر وہ اس حق میں دخیل نہیں ہوسکتا۔ انتقالِ

حقوق کے بعد لونڈی کو وہ تمام حقوق اور تحفظات وہاں بھی ویسے ہی حاصل ہوں گے جو اسے مالک اوّل کے پاس دستیاب تھے۔

لونڈی کا حق اولاد اور اسلام:

اسلام عورت ہونے کے ناطے لونڈی کے دل میں پیدا ہونے والے اولاد کے جذبات کی بھی مکمل پاسداری کرتا ہے کہ وہ اپنے بطن سے اولاد کو جنم دے سکے۔

وہ اس پر اس معاملے میں کوئی پابندی یا قدغن نہیں لگاتا۔

وہ آزاد عورت کی طرح لونڈی سے بھی نکاح کی اجازت کا قانون رکھتا ہے۔

آقا اور لونڈی کے ملاپ سے خواہ وہ نکاح کے بغیر ہی کیوں نہیں، جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ اس کی جائز، اصولی اور حلالی اولاد ہوگی۔

شریعت اس اولاد کو وہ تمام اخلاقی وقانونی حقوق مہیا کرتی ہے جو اس شخص کی اصلی وصلبی اولاد کو دیتی ہے۔

شریعت لونڈی کی اولاد کو تمام حقوق کے ساتھ ساتھ برابر درجے کا وارث بناتے ہوئے وراثت کا حق دار بھی ٹھہراتی ہے۔

اسلام اور لونڈی کے لیے ''امّ الولد'' کا مقام ومرتبہ:

اسلام سے قبل لونڈی خواہ صاحب اولاد بھی ہو جاتی مگر اسے کوئی اعزاز ورتبہ نہ مل پاتا۔ وہ جس طرح باپ کی زرخرید لونڈی سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح والد کی وفات کے بعد مال وراثت سمجھ کر بیٹے کے پاس بھی بطور لونڈی منتقل ہو جاتی۔

مگر اسلام نے لونڈی کو آقا کے ہاں سے صاحب اولاد ہونے پر ''ام الولد'' ہونے کے اعزاز ومرتبہ سے نوازا۔

اس اعزاز کا اسے یہ فائدہ ہوا کہ اب اسے صرف لونڈی نہیں بلکہ امّ الولد کہا جائے گا۔

شریعت اسے قابل فروخت نہیں سمجھتی بلکہ اس کی فروخت پر پابندی عائد کر دیتی ہے۔

اس کے مالک کی وفات کے بعد وہ اسے اولاد کے لیے وراثتی مال قرار نہیں دیتی۔

شریعت اس کے مالک کی وفات کے ساتھ ہی اسے حریت وآزادی کا پروانہ تھما دیتی ہے۔

اسلام کا غلاموں اور لونڈیوں سے حسن سلوک:

اسلام کے مربی، اوّل بذات خود نہ صرف ﴿ وانك لعلى خلق عظيم ﴾ کے مقام وعہدہ پر فائز ہیں، بلکہ اخلاق تعلیم کو عروج وکمال دنیا بھی ان کا مشن تھا۔ ﴿ بعثت لاتمم مكارم الاخلاق ﴾

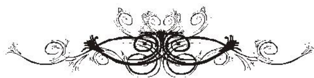
لہٰذا اسلام صرف اپنے ہم مرتبہ وہم پلہ لوگوں سے اخلاق برتنے کو نہیں کہتا بلکہ وہ لوگ جو غلام اور لونڈیاں ہیں ان سے بھی اخلاق ومحبت کے لازوال رشتے قائم کرتا ہے۔

دنیا کبھی خود کو تاریخ کے آئینے کے سامنے کھڑا کر کے اپنا چہرہ بھی دیکھے اور پھر اس آئینے میں اسلام ہادیٔ اسلام اور اہل اسلام کا قد بت بھی دیکھے۔

کیا وہ اس سوال کا جواب دے پائے گی کہ زید بن حارثہ جیسے غلام کو اپنے والد کے ساتھ جانے کی اجازت کا پروانہ دربار رسالت مآب ﷺ سے مل جانے کے باوجود انہوں نے اپنے والد حقیقی کو ساتھ جانے سے انکار کرتے ہوئے اپنے آقا ومولیٰ کے ساتھ رہنے کو ترجیح کیوں دی؟

صرف یہی نہیں اسلام اپنے دامن میں لونڈیوں کے ساتھ حسن اخلاق، حسن تعلّم، حسن تربیت، حسن معاملہ، حسن تصرف اور حسن معاشرت کی سینکڑوں لازوال مثالیں رکھتا ہے۔ پھر بھی اسلام وحشی کہلائے گا۔

[جاری ہے]



دعائے صحت

خطیب مسجد مدنی اہل حدیث ٹول ٹیکس کوٹ رادھا کشن گزشتہ ایک ماہ سے بمعارضہ لقوہ علیل ہیں۔ جماعتی احباب ان کی صحت یابی کے لیے دعا فرمائیں۔

[حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی]

اصلاح معاشرہ

قسط (۲) آخری

چہرے کا پردہ

حافظ محمد اسحاق سلفی (ایم فل جی سی یونیورسٹی)

اعتراضات وجوابات

پہلی دلیل:

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [الاحزاب:۵۹]

اس آیت میں نبی ﷺ کے گھرانوں کے علاوہ مسلمان عورتوں کو بھی چہرے کے پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو حضرات چہرہ کو پردہ کے حکم سے مستثنیٰ قرار دینا چاہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ﴿ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ﴾ کا مطلب چادر لٹکا کر گھونگھٹ نکالنا نہیں، بلکہ اس سے مراد چادر کو اپنے جسم کے اردگرد اچھی طرح لپیٹنا ہے۔ یہ توجیہ لغت، عقل اور نقل سب کے خلاف ہے وہ یوں کہ

① ......لغوی لحاظ سے "دنی یدنی" کا معنی قریب بھی ہوتا ہے اور جھکنا بھی ہوتا ہے اور لٹکنا بھی ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے: ''اور ان دونوں باغوں کے پھل جھک رہے ہیں یا لٹک رہے ہیں۔'' اور ''ادنی'' بمعنی قریب کرنا، جھکانا اور لٹکانا ہوا اور ''ادنی الستر'' بمعنی پردہ لٹکانا ہے۔ اب اگر ''ادنی الیھن من جلا بیبھن'' کے الفاظ ہوتے تو ان میں ان معانی کی گنجائش تھی کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے جسموں کی طرف قریب کرلیں یا بکل مارلیں لیکن قرآن کے الفاظ ہیں:

﴿ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ﴾ جن کا معنی لامحالہ کسی چیز کو لٹکانا ہی ہوسکتا ہے۔ ''ادنی'' کے ساتھ علیٰ کا صلہ اس میں ''ارخاء'' یعنی اوپر سے لٹکانے کے معنوں میں مخصوص کر دیتا ہے اور جب لٹکانا یا نیچے کرنا معنی ہو تو اس کا مطلب چہرہ کا گھونگھٹ نکالنا ہی ہوگا۔

② ......عقلی لحاظ سے یہ توجیہ اس لیے غلط ہے کہ عورت کا چہرہ ہی وہ چیز ہے جو مرد کے لیے عورت کے تمام بدن سے زیادہ پرکشش ہوتا ہے۔ اگر چہرہ کو ہی حجاب سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو پھر حجاب کے دوسرے احکام کا فائدہ کیا ہے؟ فرض کیجیے کہ اگر کوئی شخص شادی سے قبل اپنی ہونے والی بیوی کی شکل وصورت کو دیکھنا چاہتا ہے اگر اس کو لڑکی کا چہرہ نہ دکھایا جائے اور باقی تمام بدن ہاتھ پاؤں وغیرہ دکھلا دیے جائیں تو کیا وہ مطمئن ہوجائے گا؟ اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اس لڑکی کا صرف چہرہ اسے دکھلا دیا جائے اور باقی بدن نہ دکھایا جائے اس صورت میں وہ پھر بھی بہت حد تک مطمئن ہوجائے گا۔

③ ...... اور نقلی لحاظ سے بھی یہ توجیہ غلط ہے۔ یاد رہے سورۃ احزاب، جنگ احزاب (شوال یا ذوالقعدہ ۵ ہجری) کے بعد نازل ہوئی تھی اور واقعہ افک غزوہ مصطلق (شوال ۶ ہجری) میں پیش آیا اور سورۃ نور اس کے بعد نازل ہوئی۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واقعہ افک سے متعلق اپنا واقعہ یوں بیان کرتی ہیں:

" فبينا انا جالسة فی منزلی غلبتنی عينی فنمت وكان صفوان بن المعطل السلمی ثم الذكوانی من وراء الجيش فاصبح عند منزلی فرأى سواد انسان نائم فعرفنی حين رانی وكان رانی قبل الحجاب فاستيقظت باسترجاعه حين عرفنی فخمرت وجهی بجلباب ـ" [بخاری، كتاب المغازی، باب حديث الافك]

"خیر میں اسی جگہ بیٹھی رہی اتنے میں میری آنکھ لگ گئی اتنے میں ایک شخص صفوان بن المعطل اسلمی اس مقام پر آیا اور دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے۔اس نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا کیوں کہ حجاب کا حکم اترنے سے قبل اس نے مجھے دیکھا تھا اس نے مجھ کو پہچان کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تو میری آنکھ کھل گئی۔
"فخمرت وجھی بجلباب" تو میں نے اپنا چہرہ اپنی چادر سے ڈھانپ لیا۔"

اب دیکھیں کہ اگر "فخمرت وجھی بجلباب" اس سے چہرہ خارج ہے تو کیا معاذ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے صحابہ نے اس کا مطلب غلط سمجھا تھا۔

دوسری دلیل:

قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ [النور:٣١]

بعض حضرات قرآن کریم کے الفاظ ﴿ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ حجاب سے چہرہ اور ہاتھ مستثنیٰ ہیں یعنی عورتوں کو غیر مردوں سے چہرہ اور ہاتھ چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ توجیہ درج ذیل وجوہ کی بنا پر غلط ہے:

① ......اس آیت میں احکام حجاب کی رخصتوں کا ذکر ہے نہ کہ احکام حجاب کی پابندیوں کا۔یعنی ذکر تو چل رہا ہے کہ فلاں فلاں ابدی محرم رشتہ داروں سے بھی حجاب کی ضرورت نہیں ہے۔اپنی عورتوں سے بھی، لونڈیوں سے بھی، خدام اور نابالغ بچوں سے بھی اظہار زینت اور حجاب کی کوئی پابندی نہیں۔اب دیکھیں کہ مذکورہ آیت میں کہیں عام لوگوں یا غیر محرموں کا ذکر آیا ہے کہ ان سے بھی اظہار زینت کی کوئی پابندی نہیں۔لہٰذا اگر ان حضرات کے نزدیک ﴿ ما ظھر منھا ﴾ سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہی لیے جائیں تو بھی چنداں فرق نہیں پڑتا کیوں کہ اس آیت میں مذکور اشخاص کے سامنے ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہی کا ذکر تو ہے۔

② ......اس بات کے باوجود یہ توجیہ غلط ہے کیوں کہ ﴿ ما ظھر منھا ﴾ میں "ھا" کی ضمیر "زینتھن" کی طرف لوٹتی ہے جو قریب ہی مذکور ہے نہ کہ اعضائے بدن کی طرف جن کا ذکر ہی نہیں۔ اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس زینت سے از خود ظاہر ہو جائے۔ گویا اللہ تعالیٰ عورتوں کو تکلیف ما لا یطاق نہیں دینا چاہتے یعنی اگر جلباب یا بڑی چادر یا برقعہ کسی وقت ہوا سے اٹھ جائے یا غفلت یا کسی دوسرے اتفاق کی بنا پر عورت کا زیور یا زینت ظاہر ہو جائے تو اسمیں مضائقہ نہیں ہوگا۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ نے ﴿ ما ظھر منھا ﴾ سے یہی مفہوم مراد لیا ہے۔

③ ...... بخاری شریف کے حوالے سے یہ ذکر ہو گیا ہے کہ سورۃ احزاب کی آیات کی رو سے مسلمان عورتوں میں چہرے کے پردہ کا رواج ہو چکا تھا اور حضرت عائشہ نے واقعہ بیان کرتے ہوئے اس بات کی صراحت بھی کی تھی اور خود بھی صفوان بن معطل سے چہرہ چھپا لیا تھا۔اب اگر اس کے بعد میں نازل ہونے والی سورۃ نور کے اس جملے کا یہی مطلب لیا جائے جو کچھ یہ حضرات کہتے ہیں تو کیا کچھ ایسے شواہد یا آثار ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہو کہ بعد میں مسلمان عورتوں نے غیر مردوں سے چہرہ کے پردہ کو ختم کر ڈالا تھا۔﴿ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ﴾

اگر سوال کا جواب نفی میں ہو تو مذکورہ آیت کے اس جملہ کا یہ مطلب کیسے لیا جا سکتا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ پردہ سے مستثنیٰ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق شبہات کا ازالہ:

تمام تر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت عبداللہ بن عباس نے پھر ان کے شاگردوں نے پھر بعض فقہاء حنفیہ نے ﴿ الا ما ظھر منھا ﴾ سے یہ مطلب لیا ہے کہ ہاتھ اور چہرہ حجاب سے خارج ہیں اور یہی وہ اصل بنیاد ہے جس پر منکرین حجاب اپنی عمارت کھڑی کرتے ہیں۔

معالم التنزیل میں حضرت عبداللہ بن عباس ﴿ یدنین علیھن من جلابیبھن ﴾ کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں:

" فقال ابن عباس وابو عبيدة: امر نساء المومنين ان يغطين رؤسهن ووجوههن بالجلابيب الا عينا واحدة ليعلم انهن حرائر ۔" [معالم التنزيل]

حضرت عبداللہ بن عباس اور ابوعبیدۃ نے فرمایا: ''مومنوں کی عورتوں کوحکم دیا گیا ہے کہ وہ چادروں سے اپنے سر اور چہروں کو ڈھانپ کر رکھیں مگر ایک آنکھ کھلی رکھ سکتی ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ وہ آزاد عورتیں ہیں۔ بالکل ایسی ہی ایک دوسری روایت ملاحظہ فرمایئے:

" عن ابن عباس امر الله نساء المؤمنين اذا خرجنا من بيوتهن فى هاجة ان يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلابيب ويبدين عينا واحدة ۔" [تفسير ابن كثير، جلد نمبر٣، صفحه ٣١٨، جامع البيان للبطرى، ص:٢٣، مطبوعه مصر]

علی بن ابی طلحہ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ اپنے گھروں سے کسی ضرورت کے تحت نکلیں، چادروں سے اپنے سروں کے اوپر سے چہروں کو ڈھانپ لیں اور ایک آنکھ ظاہر کریں۔

اب دیکھئے جلباب کو تعلق گھر سے باہر کی دنیا سے ملے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس گھر سے باہر مکمل پردہ یعنی چہرہ سمیت کے قائل تھے۔ ان کے موقف میں اگر کچھ لچک ہے تو وہ گھر کے اندر کی دنیا سے ہے یعنی اگر گھر کے اندر ایسے رشتہ دار آ جائیں جو محرم نہیں تو ان سے چہرہ اور ہاتھ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا آج کے مہذب طبقہ کے لیے حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ موقف کچھ زیادہ سود مند نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کا مسلک اختیار کیا ہے تو اکثریت حجاب الوجہ کی بھی قائل ہے۔ جن میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل بھی ہیں۔ یہ تمام عورت کا پورے کا پورا جسم محل حجاب سمجھتے ہیں جیسا کہ درج ذیل روایت سے واضح ہے:

" واما العورة بالنسبة للرجل فجميع بدنها عورة على الصحيح وهو مذهب الشافعية والحنابلة وقد نص الامام احمد رحمه الله على ذلك فقال وكل شىء من المرأة عورة حتى ظفر ۔" [روائع البيان، جلد:٢، ص:١٥٤]

اور جہاں تک عورت کے ستر کا تعلق ہے تو صحیح بات یہی ہے کہ آدمی کے لیے عورت کا سارا بدن ہی ستر ہے اور امام احمد بن حنبل نے تو بالوضاحت فرمایا ہے کہ عورت کی ہر چیز حتی کہ اس کے ناخن بھی ستر ہیں۔

دوسرے دلائل کا جائزہ:

(۱)...... عن ابن عباس ان المرأة من خثعم استفت رسول الله فى حجة الوداع يوم النحر والفضل بن عباس رديف رسول الله وكان الفضل رجلا وضيئا ...... الحديث وفيه ...... فاخذ الفضل بن عباس يلتفت اليها وكانت المرأة حسناء وتنظر اليه فاخذ رسول الله بذقن الفضل فحول وجهه من الشق الاخر ۔"

ابن عباس کہتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے حجۃ الوداع میں قربانی کے دن رسول اللہ سے فتویٰ پوچھا اور فضل بن عباس رسول اللہ کے پیچھے سوار تھے۔ اور یہ فضل بن عباس ایک خوش شکل آدمی تھے۔ الحدیث...... اور اسی میں روایت ہے کہ فضل بن عباس نے اس عورت کی طرف نظریں جما دیں اور وہ ایک حسین عورت تھی، اور وہ عورت فضل بن عباس کو دیکھنے لگی تو رسول اللہ نے فضل بن عباس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر ان کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔

یہ قصہ حضرت علی نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ استفتاء کا واقعہ قربان گاہ کے قریب پیش آیا تھا جب کہ رسول اللہ رمی الجمار سے فارغ ہو چکے تھے۔ مذکورہ حدیث سے منکرین حدیث نے درج ذیل نتائج اخذ کیے ہیں:

①...... وہ عورت اس وقت حالت احرام سے نکل چکی تھی۔ لہٰذا حالت احرام کے بعد بھی چہرہ کھلا رکھنے کا ثبوت مہیا ہو گیا۔

②......رسول اللہ ﷺ نے فضل بن عباس کے چہرہ کا رخ موڑ

دیا یہ نہیں کیا کہ اس عورت کو کہیں کہ وہ چہرہ چھپالے۔

اب ان کا جائزہ لیجیے کہ دسویں ذی الحجہ (یوم النحر) کو بالترتیب چار کام کرنے ہوتے ہیں:

① ......رمی الجمار۔ ② ......قربانی۔ ③ ......حلق اور طہارت۔

④ ......طواف افاضہ

قرآنِ کریم کی رو سے حلق کا کام قربانی کے بعد ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ﴾

''اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے اپنے سر نہ منڈاوٗ'' [البقرة:۱۹۶]

اور دوسری جگہ سورۃ الحج آیت ۲۹، ۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طہارت کا کام قربانی کرنے کے بعد ہوگا۔

پیچھے ذکر کی گئی حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ رمی الجمار سے فارغ ہو چکے تھے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عورت بھی ابھی رمی الجمار سے فارغ ہوئی تھی یا نہیں؟ پھر ابھی قربانی کا کام بھی باقی تھا اور اس کے بعد ہی حلق، طہارت یا احرام کھولنے کی باری آتی ہے۔ اندریں صورت کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ عورت حالت احرام سے نکل چکی تھی۔ چناں چہ اس حدیث سے متعلق اکثر علماء یہی کہتے ہیں کہ وہ عورت اس وقت حالت احرام میں تھی اور حالت احرام میں چہرہ کو نہ چھپانا جائز ہے۔

② ......سہل بن سعد کہتے ہیں کہ

" عن سهل بن سعد: ان المرأة جاء ت الى رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله جئت لاهب لك نفسى فنظر اليها رسول الله فصعد النظر اليها وصوبه ثم طأطأ رأسه فلما رأت المرأة انه لم يقصد فيها جلست ـ"

''ایک عورت رسول اللہ کے پاس آئی اور کہنے لگی اے اللہ کے رسول ﷺ میں اس لیے آئی ہوں کہ اپنی جان آپ کے لیے ہبہ کر دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا پھر اس کی طرف نظر اٹھائی پھر نیچے کر لی۔ پھر سر جھکا لیا جب اس عورت نے دیکھا کہ آپ اس معاملہ کا ارادہ نہیں رکھتے تو بیٹھ گئی۔''

یہ حدیث بھی قطع نزاع کے لیے کوئی واضح دلیل نہیں ہے کیوں کہ نکاح یا منگنی سے پہلے فریقین کو ایک دوسرے کو دیکھنے کی اجازت ہی نہیں دی گئی بلکہ حضور نے اسے ایک مستحسن فعل قرار دیا ہے۔ وہ عورت جو آپ کے نکاح میں آنے کی خواہش مند تھی، جب تک آپ اس کا چہرہ نہ دیکھتے یا وہ عورت آپ کو اپنا چہرہ نہ دکھاتی آپ اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیسے کر سکتے تھے۔

③ ......حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ

" عن عائشة قالت: كن نساء المؤمنات يشهدن مع النبى صلٰوة الفجر متلفعات بمر وطهن ثم ينقلبن الى بيوتهن حين يقضين الصلٰوة لا يعرفن من الغلس ـ"

''ہم مومن عورتیں نبی کے ساتھ صبح کی نماز اس حالت میں ادا کرتیں کہ ہمارے سر چادروں سے ڈھکے ہوتے تھے۔ پھر جب ہم نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے گھروں کو واپس آتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جا سکتی تھیں۔''

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو وہ پہچانی جاتیں اور چوں کہ پہچانا چہرہ ہی جا سکتا ہے جو کھلا ہوتا تھا۔

اب دیکھیں اس ثبوت میں جتنی جان ہے وہ سامنے ہے حالاں کہ نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلتا ہے، چہرہ کو چھپانے کی ضرورت تو تب ہوتی ہے جب وہ نظر آ سکتا ہو۔ پھر جب اندھیرا اتنا گہرا ہوا کہ چہرہ پہچانا ہی نہ جا سکتا ہو تو کپڑے سے چہرہ ڈھانپنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ پھر یہ روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جو آیہ حجاب کا محل چہرہ کو سمجھتی تھیں۔ جنہوں نے ایک نابینا سے بھی چہرہ کا پردہ کیا۔ جو حالت احرام میں بھی راہ گزاروں سے چہرہ کا پردہ کیا کرتی تھیں۔

④ ......فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہ

”عن فاطمة بنت قيس: فجاء ت رسول اللّٰه وذكرت له فامرها ان تعتد فی بیت ام شريك ثم قال تلك امرأة يغشاها اصحابی اعتدی عند ابن ام مكتوم فانه رجل اعمٰی تضعين ثيابك عنده (وفی رواية) انتقلی الی ام شريك۔ وام شريك امرأة غنية من الانصار عظيمة النفقة فی سبيل الله ينزل عليه الضيفان فقلت سافعل فقال لا تفعلی ان ام شريك امرأة كثيرة الضيفان فانی اكره ان يسقط خمارك او ينكشف الثوب عن ساقيك فيری القوم منك بعض ما تكرهين ولكن انتقلی الی ابن عمك عبد اللّٰه ابن امّ مكتوم الأعمٰی ۔“

”جب انہیں عمرو بن حفص نے تین طلاقیں دے دیں اور وہ غائب تھا تو فاطمہ بنت قیس رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور انہیں یہ معاملہ بتلایا تو آپ نے فاطمہ بنت قیس کو حکم دیا کہ وہ اپنی عدت امّ شریک کے گھر میں گزارے۔ پھر آپ نے فرمایا یہ عورت (ام شریک) ایسی ہے جس کے ہاں میرے صحابہ بہ کثرت آتے جاتے ہیں۔ لہٰذا تم ابن امّ مکتوم کے ہاں عدت گزارو۔ کیوں کہ وہ اندھا آدمی ہے تو اس کے ہاں کپڑے تک اتار سکتی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فاطمہ بنت قیس کو فرمایا کہ امّ شریک کے ہاں منتقل ہو جا۔ امّ شریک انصار کی ایک غنی عورت تھی جو اللہ کی راہ میں بہت خرچ کرتی تھی اس کے ہاں مہمان بہت آتے تھے۔ میں نے عرض کیا میں امّ شریک کے ہاں چلی جاتی ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کر کیوں کہ امّ شریک کے ہاں بہت سے مہمان آتے جاتے ہیں اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تمہارے سر سے دوپٹہ گرا ہوا ہو یا پنڈلی سے کپڑا ہٹا ہوا ہو اور یہ لوگ تجھے اس حالت میں دیکھیں جو تجھے ناگوار ہو لیکن تو اپنے چچا ابن امّ مکتوم (نابینا) کے ہاں چلی جا۔“

اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خمار کا ذکر کیا جس سے سر اور گریبان ڈھانپا جاتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ چہرہ کا پردہ واجب نہیں ہے۔ جب کہ خمار کا تعلق گھر کے اندر کی دنیا سے ہے تو جب کوئی ایسا شخص اہل خانہ کی اجازت سے گھر کے اندر داخل ہوگا جس سے عورت کو چہرہ چھپانا ضروری ہے تو وہ یہ پردہ خمار ہی کر سکتی ہے جلباب سے نہیں۔ گویا رسول اللہ ﷺ نے خمار کا لفظ کہہ کر مقامات ستر و حجاب دونوں کا لحاظ رکھا ہے اور ”ینکشف الثوب عن ساقيك“ کہہ کر بالخصوص مقاماتِ ستر کا۔

علاوہ ازیں فاطمہ بنت قیس کی عدت گزارنے کا قصہ بالکل اضطراری نوعیت کا ہے یہ ایک درشت مزاج خاتون تھیں۔ ان کا خاوند شام میں تھا جب یہ طلاق مغلظہ واقع ہوئی، ان کا گھر جنگل میں تھا، جہاں آس پاس مکانات تھے۔ لہٰذا خاوند کے گھر میں یہ عدت نہیں گزار سکتی تھیں۔ ان کے مال اور ناموس دونوں چیزوں کی حفاظت کا مسئلہ بھی سامنے تھا۔ اگرچہ فاطمہ بنت قیس کا نفقہ اس کے ذمہ بھی نہ تھا، تاہم اس نے جو کچھ اس کو سراحاً جمیلاً کے طور پر بھیجا اسے فاطمہ بنت قیس نے حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیا۔ یہ تھے وہ خصوصی حالات جن کی بنا پر یہ واقعہ عدالت نبوی تک آیا۔ اندریں حالات رسول اللہ ﷺ نے اس کے حق میں جو فیصلہ دیا اس سے بہتر اس کے حق میں اور کوئی فیصلہ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

⑤......ایک یہ نظریہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ دورِ نبوی میں چہرہ اور ہاتھوں کا پردہ صرف ازواج مطہرات کے لیے مختص تھا پھر فضلیات النساء میں دورِ نبوی کے بعد رائج ہوگیا۔ یہ نظریہ درج ذیل دلائل کی بنا پر درست نہیں۔

دلیل نمبر ①: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [الاحزاب: ٥٩]

اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ (جب باہر نکلیں) تو اپنی چادریں اوپر سے لٹکا لیا کریں۔ یہ بات تو مسلم ہے کہ ازواج النبی چہرہ اور ہاتھوں کا پردہ کیا کرتی تھیں۔ اب یہ چہرہ کے

پردہ کا حکم دو ہی آیات سے مستنبط ہوسکتا ہے۔

ایک تو مندرجہ بالا آیت ہے اس آیت میں جیسا کہ حکم ازواج النبی کے لیے ہے بالکل ویسے ہی حکم نساء المومنین کے لیے بھی ہے۔لہٰذا مسلمان عورتوں کو اس حکم سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری آیت جس سے چہرے کے پردے کا استنباط کیا جاتا ہے وہ آیت حجاب ہے جیسا کہ حضرت عائشہ نے خود یہی استنباط کرکے واقعہ افک کے دوران چہرہ کا پردہ کیا تھا۔اس آیت میں اگر چہ یہ حکم امہات المومنین سے تعلق رکھتا ہے تاہم حجاب واستیذان کا حکم بعد میں (سورۃ النور آیت نمبر۲۷) تمام مسلمانوں کے لیے بھی لازمی قرار دیا گیا۔لہٰذا اس لحاظ سے بھی عام مسلمان عورتوں کو چہرے کے پردے کے حکم سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

دلیل نمبر ②: احرام والی عورت نہ نقاب اوڑھے اور نہ دستانے پہنے۔آیا آپ کا یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے لیے ہے یا تمام مسلمان عورتوں کے لیے؟اگر یہ خطاب عام ہے تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عہد نبوی میں مسلمان عورتوں میں چہرہ اور ہاتھوں کا پردہ رائج تھا۔

دلیل نمبر ③: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام میں تھیں۔قافلے ہمارے پاس سے گزرتے جب ہمارے سامنے آتے تو ہم میں سے ہر ایک اپنی چادر اپنے سر سے چہرے پر لٹکا لیتی پھر جب وہ گزر جاتے تو ہم پردہ پیچھے ہٹا لیتے۔

[ابوداؤد،کتاب المناسک]

اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

①......حضرت عائشہ چہرہ کے پردہ کے معاملہ میں اتنی سخت تھیں کہ حالت احرام میں (جب کہ چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہے) بھی چہرہ کا پردہ ضروری سمجھتی تھیں۔

②......حدیث میں لفظ ''نحن'' آیا ہے۔اب اس نحن سے مراد صرف ازواجِ مطہرات لینے کے لیے کون سی دلیل ہے کیوں نہ اس سے یہ سمجھا جائے کہ حضرت عائشہ کے ساتھ دوسری مسلمان عورتیں بھی تھیں جو حالت احرام میں بھی چہرہ کا پردہ کیا کرتی تھیں۔اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔

دلیل نمبر ④: اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ ہم مردوں سے اپنا چہرہ چھپایا کرتی تھیں اور اس سے پیشتر (احرام کی حالت میں) کنگھی بھی کرلیا کرتی تھیں۔

اب دیکھیں،حضرت اسماء بنت ابی بکر دورِ نبوی میں موجود بھی تھیں اور ازواج مطہرات میں سے بھی نہیں تھیں۔ان دونوں باتوں کے باوجود وہ مردوں سے چہرے کا پردہ بھی کرتی تھیں۔

رخصت صرف لونڈیوں کے لیے ہے:

ان تمام دلائل سے واضح ہے کہ عہد نبوی میں چہرے کا پردہ ازواجِ مطہرات کے علاوہ عام مسلمان عورتوں میں بھی مروّج تھا۔اس میں اگر استثناء ہے تو صرف یہ کہ لونڈیوں کے لیے چہرے کا پردہ ضروری نہ تھا اور یہی کچھ صحابہ کرام بھی سمجھتے تھے۔فتح خیبر کے بعد جو غلام اور لونڈیاں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں ان میں سے صفیہ بنت حی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے پسند فرمایا۔صحابہ کرام ؓ نے یہ گمان کیا کہ اگر آپ نے صفیہ کو پردہ کروایا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اسے آزاد کرکے اپنی بیوی بنائیں گے اور اگر پردہ نہ کرایا تو لونڈی کے طور پر رکھیں گے۔آگے حدیث کے الفاظ ہیں کہ

" وسترها رسول الله وحملها وراءه وجعلها رداءه على ظهرها ووجهها وجعلها بمنزلة نساءه ۔"

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ کو کپڑے سے ڈھانپا اور اپنے پیچھے سوار کیا اور اپنی چادر اس کی پشت اور چہرے پر ڈال دی اور اس کے ساتھ سفر کیا اور اس کو اپنی بیوی بنالیا۔''

آٹھواں اعتراض:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [الاحزاب:۵۹]

مذکورہ آیت حکم تکلیفی نہیں بلکہ حکم وضعی ہے اگر پہلے حصے کو حکم تکلیفی

قرار دیا جائے تو ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ﴾ کو ''من استطاع الیہ سبیلا'' کی طرح حکم وضعی قرار دینا ہوگا۔ لیکن ادنی جلباب اس صورت میں واجب قرار پائے گا جب احادیث میں بھی اس کا حکم موجود ہو جب کہ احادیث میں کوئی ایسا حکم نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر اس کو حکم وضعی ہی مان لیا جائے تو اس کی جو افادیت بتائی ہے وہ کتنی عمدہ اور سود مند ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بہتر جاننے والا ہے تو وہ خود فرماتا ہے کہ ''جلباب'' کا استعمال یہ آزاد عورتوں کے لیے نقصان سے بچنے کا عمدہ ذریعہ ہے تو ہم اس افادیت سے کیوں محروم ہونا چاہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ اصول کہاں ہے کہ جب قرآنِ مجید میں حکم وضعی موجود ہو تو اس وقت تک اس پر عمل نہیں ہوگا جب تک اس کی تائید احادیث سے نہ ہو؟

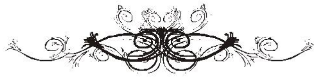
تیسری بات اگر قرآنِ مجید کے حکم وضعی پر عمل کرنے کے لیے اس کی تائید میں احادیث کا ہونا ضروری ہے تو اس موضوع پر بہ کثرت احادیث موجود ہیں جنہیں ذکر کر دیا گیا ہے جو کہ صحیح ہیں، جنہیں رد بھی نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھی بات یہ کہ جو اس حکم وضعی کے مقابلے میں حکم تکلیفی والی یہ آیت پیش کی جاتی ہے:

''ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ـ''

کہ وہ اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں تو اگر حکم تکلیفی پر ہی عمل ضروری ہے تو اس آیت کے مطابق سینوں کو ڈھانپ لیں اور اپنے سر کو بھی ننگا رکھیں۔ کیوں کہ اس آیت (حکم تکلیفی) میں سر کو ڈھانپنے کا ذکر تو نہیں ہے وہ حکم وضعی والی آیت میں ہے۔

العجب ثم العجب



فکر ونظر

قومی یکجہتی کے لیے پاکستان میں اردو زبان کی اہمیت

پروفیسر ثریا بتول علوی۔لاہور

استاد اپنی بات اپنے شاگردوں تک اسی زبان میں پہنچاتا ہے جس کو وہ بخوبی سمجھ سکیں۔اگر متعلّم اپنے استاد کی بات ہی کو نہ سمجھ سکے تو تعلیمی عمل زوال کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جب کسی قوم کی طرف مبعوث کیا، تو وہ ان سے ان کی زبان میں ہی گفتگو کرتا تھا۔قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ط ﴾ [ابراهیم: ٤]

''ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب بھی کوئی رسول بھیجا اس نے اپنی قوم کی زبان میں ہی پیغام دیا تا کہ وہ انہیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھا سکے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر ایک خاص احسان وانعام کا ذکر فرمایا:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ج ﴾ [آل عمران: ١٦٤]

''اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے۔ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔''

مگر ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ۶۲ سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود ہم ایک غیر ملکی زبان یعنی انگریزی کے جال سے باہر نہیں نکل سکے۔نہ جانے کیا وجہ ہے کہ ہر میدان اور ہر شعبہ میں انگریزی کو ہمارے سروں پر زبردستی مسلط کیا جا رہا ہے۔ہمارے نظامِ تعلیم کا حال پہلے ہی بہت پتلا ہے اور اب حکومت کا ایک تازہ شوشہ سامنے آیا ہے کہ ''حکومت پنجاب نے اپریل سے شروع ہوانے والے تعلیمی سیشن میں پرائمری اور سیکنڈری سکولوں کے لیے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا نوٹیفیکیشن جاری کیا ہے۔جس میں کہا گیا ہے کہ اگلے سیشن میں سرکاری سکولوں میں کوئی کلاس اردو میں نہ ہوگی۔'' [نوائے وقت، لاہور]

آخر ایک غیر ملکی زبان کو اتنی تقویت کیوں دی جا رہی ہے اور اردو کو اس کے جائز حق سے محروم کیوں کیا جا رہا ہے۔اردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔اردو پاکستان کی سرکاری زبان ہے۔اردو زبان نے نظریہ پاکستان کے فروغ میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔علامہ اقبال اس زبان کو بہت اہم سمجھتے تھے۔اس کو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی وحدت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔خود قائداعظم نے قیام پاکستان کے فوراً بعد ڈھاکہ میں ایک جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

جہاں تک آپ کی بنگالی زبان کا تعلق ہے اس افواہ میں کوئی صداقت نہیں کہ آپ کے بارے میں کوئی پریشان کن فیصلہ ہونے والا ہے۔بالآخر اس صوبے کے لوگوں کو ہی یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ اس صوبے کی زبان کیا ہوگی۔مگر میں یہ بات آپ کو واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو اور صرف اردو ہوگی۔اردو کے سوا اور کوئی زبان نہیں ہو سکتی۔جو کوئی آپ کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دشمن ہے۔کوئی قوم واحد سرکاری زبان کے بغیر متحد نہیں ہو سکتی اور نہ ہی سرکاری فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے جا سکتے ہیں۔ [۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء]

اس طرح قائداعظم نے واضح کر دیا کہ اردو ہی پاکستانی قوم کی اساس ہے اور یہی اس کی قومی ترقی کی ضامن ہے۔ پاکستان کی نسل نو ویسے تو بڑی ذہین ہے لیکن راہنماؤں سے یہ غلطی ہوئی کہ کبھی ڈھنگ کی قومی تعلیمی پالیسی نہ بنائی جا سکی۔ بن بھی گئی تو اس پر پوری طرح صدقِ نیت سے عمل درآمد نہ ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف وہ نظریہ پاکستان کی اہمیت سے واقف نہ ہو سکے۔ قیام پاکستان کی ضرورت اور شہداء کی قربانیوں کا اِدراک نہ کر سکے۔ اپنی تہذیب وثقافت، اپنے ملک اور اپنی زبان کی اہمیت ان کے دلوں میں نہ پیدا ہو سکی۔ دوسری طرف ہندو اور مغرب کی جارحانہ ثقافتی یلغار نے ان کو اپنے دام میں پھانس لیا۔ ذرائع ابلاغ نے بھی ہندو اور مغربی تہوار بڑے اہتمام سے اور جوش وخروش سے ان کے ذہن وقلب میں راسخ کیے۔

تیسری طرف مغرب تعلیم یافتہ لوگ خصوصاً انگلش میڈیم طبقہ اپنے آپ کو کوئی بالاتر مخلوق سمجھنے لگے۔ پاکستان کے بجائے لندن، واشنگٹن اور پیرس ان کی خوابوں کا مرکز قرار پائے۔ یہاں کے وسائل لگا کر مہنگی مغربی تعلیم حاصل کی اور پھر انہی کی سرزمین پر جا بسے۔ وہ اپنی ذہانت، قابلیت اور صلاحیتوں سے اہل مغرب کی یونیورسٹیاں، کارخانے اور ہسپتال سنوارتے رہے اور خود اہل وطن ان کی صلاحیتوں سے محروم رہے۔ یوں ذہانت کا وطن عزیز سے فرار جاری رہا۔

ملک میں مغربی تعلیم یافتہ حکمرانوں نے سنجیدگی سے کبھی بھی پاکستانی نقطہ نظر سے اپنے مسائل کو حل کرنے کی کوشش ہی نہ کی بلکہ مغرب کی دی ہوئی پالیسیوں کے مطابق پاکستان پر حکومت مغرب کے دیئے ہوئے اہداف کو پورا کرتے رہے۔ اور پاکستان کو مغربی آقاؤں کے لیے نرم چراگاہ بنانے میں لگے رہے۔ وطن عزیز میں انہی کی روایات، تہذیب، بے حیائی کی ہلڑ بازی کو فروغ دینے میں مصروف رہے۔ صرف وہ لوگ اس مغربی ثقافت سے بچ سکے جن کو گھروں میں دینی ماحول ملا اور ان کے اپنے بزرگ ان کو پاکستان کی اہمیت سے آگاہ کرتے رہے۔

اب ہمارے تعلیمی نظام پر مسلسل مغربی یلغار کا تازہ شاخسانہ یہ ہے کہ نرسری سے بچوں کو اردو کے بجائے انگریزی میڈیم میں پڑھایا جائے اور سارا کام انگریزی میں ہی کر لیا جائے۔ اس غرض کے لیے دسمبر ۲۰۰۹ء اور جنوری وفروری ۲۰۱۰ء میں سرکاری سکولوں کے اساتذہ کو خصوصی پرائمری استاذہ کو ریفریشر کورسز کروائے گئے کہ کس طرح چھوٹے بچوں کو ابتدا سے انگریزی میں پڑھانا ہے۔ انہوں نے دورانِ ٹریننگ اس مقصد کی وجہ یہ بیان کی کہ عموماً لوگ اپنے بچوں کو انگلش میڈیم سکولوں میں داخل کروا رہے ہیں، اس سے سرکاری سکولوں کی طرف عوام کا رجحان بہت کم ہو گیا ہے۔ ہم نے اپنے سرکاری سکولوں کی ساکھ برقرار رکھنے کے لیے مجبوراً یہ قدم اٹھایا ہے تاکہ ہمارے یہ سکول کہیں ختم ہی نہ ہو جائیں۔

اس پر یہی تبصرہ کیا جا سکتا ہے ''خوئے بدرا بہانہ بسیار''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے اربابِ اختیار کو ایسی کون سی مجبوری ہے جس کے باعث وہ اب تک اردو زبان کو وطن عزیز میں اس کا جائز مقام نہیں دے سکے۔ سرکاری زبان نہ بنا سکے۔ ذریعہ تعلیم قرار نہ دے سکے۔ اور اب اس حد تک مجبور ہو گئے کہ ننھے منے پھول سے بچوں کو اردو میں سانس لینے کی بھی اجازت دینے کو تیار نہیں۔ تین سالہ بچہ سکول میں جاتے ہی انگریزی کی نذر کر دیا جائے اور سکول میں اردو بولنا، پڑھنا اور سیکھنا اس کے لیے ممنوع قرار دیا جائے؟

محسوس یوں ہوتا ہے کہ ہمارے پڑھے لکھے حکمران طبقے کو انگریزی فوبیا ہو گیا ہے۔ وہ اس حقیقت سے کیوں بے خبر ہیں کہ جب سے قوم کو انگریزی کا بخار چڑھا دیا گیا ہے، اس وقت سے پاکستان میں کوئی دانش ور اور اعلیٰ پایہ کا مخلص رہنما قوم کو دستیاب نہیں ہو سکا۔ پوری پاکستانی قوم قیادت کے بحران کا شکار ہے۔ قومی فکر پر جمود طاری ہے۔ قوم کے قویٰ ٹھٹھر گئے ہیں۔ ہر شعبے میں ترقی معکوس کا عمل جاری وساری ہے۔ اب کیوں نسل نو کی صلاحیتوں کا گلا گھونٹا جا رہا ہے؟ کیا کسی قوم نے کبھی غیر ملکی زبان کو ذریعہ تدریس بنا کر ترقی کی ہے؟

ہر زندہ قوم اپنے نظام تعلیم کو اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے۔ وہ اپنے تدریسی عمل کو اپنے نظریے، عقیدے، وژن اور ضرورت کے مطابق ڈھالتی ہے۔ اپنی زبان پر فخر کرتی ہے اور اپنی تعلیمی روایات کو اپنی زبان میں اپنی اگلی نسل تک منتقل کرتی ہے۔ غیر زبان میں نسل نو اپنے استاد کی بات کو کیسے سمجھے گی۔ غیر زبان میں اپنا سبق رٹنے سے بچوں کی تخلیقی وفکری کاوشیں بالکل ٹھٹھر کر نہ رہ جائیں گی۔ ان کو اپنا اندوختہ کیسے سمجھ میں آئے گا۔ وہ اس کے مطابق عمل کیسے کریں گے؟

یہ لمحہ فکریہ ہے، ہمیں پوری دیانت داری سے غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم یونہی انگریزی زبان کی اندھا دھند ترویج میں مصروف رہے تو مغربی ثقافتی اثرات بھی ساتھ آ رہے ہیں، اور پھر مزید یہ اثرات بڑھتے جائیں گے جو آہستہ آہستہ ہمارے نظریے، ہماری آزادی اور ہمارے دین سب کو تباہ کر دیں گے۔ جب کہ ہمارے نظریہ کا تحفظ، بقائے پاکستان اور استحکام پاکستان تو اردو زبان کی ترویج اور اس کی بقا ہی سے وابستہ ہے۔

اردو زبان پورے برصغیر میں اور دنیا کے بیشتر حصوں میں سمجھی جانے والی زبان ہے۔ عالمی لسانی سروے کے مطابق دنیا کی تیسری بڑی اور سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے۔ حیرت ہے کہ پاکستان میں اس کے نفاذ میں کیوں رکاوٹیں ڈالی جارہی ہیں۔ حالاں کہ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اگر ہمارے ہاں انگریزی لازمی کی پابندی ختم کر دی جائے تو ہمارے ہاں ایک دم شرح خواندگی کا تناسب بہت زیادہ بڑھ جائے گا اور قوم کی صلاحیتیں تیزی سے نشو ونما پانے لگیں گی۔

اس وقت تو انگریزی زبان نے ہماری قومی صلاحیتوں کی نشو ونما پر ایک بہت بڑا بند باندھ رکھا ہے۔ قوم کو انگریزی کا طوق گلے سے اتارنا ہوگا تا کہ اس کو اپنی استعداد اور صلاحیتوں کے مطابق آگے بڑھنے کا موقع مل سکے۔ نیز اس سے صوبائی تعصب کا خاتمہ ہوگا اور چاروں صوبوں کے عوام یکجہتی کی لڑی میں پروئے جاسکیں گے۔ مسلمانوں کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے لیے عربی زبان کو دوسرے نمبر پر لازمی قرار دینا چاہیے۔ جب کہ انگریزی زبان کا مقام ہمارے نظام تعلیم میں تیسرے نمبر پر ہونا چاہیے۔

ہمارے تین چوتھائی مسائل صرف انگریزی کی بالا دستی کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ مقابلے کے امتحانات، دفتری خط وکتابت، عدالتی معاملات، تجارت اور کاروباری معاملات اور دیگر روزمرہ کے امور کو اردو کے سانچے میں ڈھال لیا جائے تو ہمارا بہت سا وقت اور پیسہ محفوظ رہ سکتا ہے۔ قوم اسی وقت اپنے آپ کو آزاد محسوس کرے گی جب اپنی زبان میں اپنے روزمرہ کے تمام کام انجام دے گی۔

ہماری تعلیم آخر اردو میں کیوں نہیں ہوسکتی؟ یہ زبان عربی اور فارسی اور سنسکرت کے ملاپ سے وجود میں آئی ہے۔ عربی اور فارسی اپنے اپنے دامن میں بڑا علمی وادبی ورثہ رکھتی ہیں۔ اس زبان نے ہر زبان کی خوبیاں اپنے اندر سموئی ہیں۔ اس زبان میں انتہا درجہ کی بلاغت ہے۔ اس میں جو شیرینی اور مٹھاس ہے شاید کسی اور زبان میں نہ ہو۔ اس کی ضرب الامثال اور کہاوتیں دل افروز ہیں۔ اس کا زندگی بخش ادب اور اخلاقِ فاضلہ سکھانے والی حکایات بہت لذیذ ہیں۔ ہمارا سارا دینی سرمایہ اس زبان میں موجود ہے۔ اس کی پرورش میں ہمارے آباؤ اجداد کا خون شامل ہے۔ حقیقتاً اردو زبان ہمارا قومی سرمایہ ہے جو ہمارے دینی، ملی، ثقافتی اور تہذیبی اقدار کی وارث ہے۔

اردو زبان کی انہی خوبیوں کے پیش نظر خود ہندوستان میں کئی یونیورسٹیوں میں ڈگری کی سطح پر اردو میڈیم کی سہولت موجود ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد نے تو ابتدا ہی سے اردو زبان ہی کو ذریعہ تدریس قرار دے رکھا ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی اور کئی دیگر یونیورسٹیوں میں اردو زبان کو ذریعہ تدریس قرار دیا گیا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ ہندوؤں کے تعصب کے باوجود وہ اردو زبان کی ذاتی خصوصیات کے پیش نظر اس کو ذریعہ تعلیم قرار دینے پر مجبور ہیں۔

تو پھر ہمیں سوچنا پڑے گا، اردو جو ہمارا قومی ورثہ ہے، جسے بانی پاکستان نے پاکستان کی سرکاری زبان قرار دیا، جو زبان ہماری دینی

وتہذیبی روایات کی امین ہے، جسے پاکستان کے ہر حصے میں ہر بڑا چھوٹا اور بچہ تک جانتا ہے۔ اس کو ہم کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟ محض انگریزی آقاؤں کی چاکری کے لیے۔ وہ یہ جانتے ہیں جس دن پاکستانی قوم نے انگریزی زبان کا طوق گلے سے اتار دیا، اسی دن وہ صحیح معنوں میں ہم سے آزاد ہو جائے گی۔

اور حیرت یہ ہے کہ ہم خود بھی یہ سب کچھ جانتے ہیں۔ پھر کیوں ہمارے دین دار طبقے بھی اس غلامی کے طوق کو اپنے ہاں جاری وساری رکھنے پر مصر ہیں۔ کیوں بڑے ماہر تعلیم بھی جو فروغ تعلیم کے لیے دینی قدروں کی آبیاری کے لیے سرگرم عمل ہیں اپنے حرا سکولوں میں انگریزی کو ذریعہ تعلیم بناتی ہے، اور مخلوط تعلیم دیتی ہے۔ لڑکوں، لڑکیوں کے لیے الگ الگ کیمپس کیوں نہیں بناتی، وہ بھی اس دوڑ میں کیوں شامل ہوگئی ہے۔

محترم ظفر حجازی صاحب مدیر ''افکارِ معلم'' اپنے اداریے میں لکھتے ہیں:

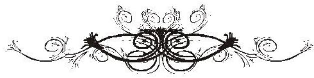
''اتنے بڑے فیصلے کے لیے کیا پوری قوم کو اعتماد میں لیا گیا ہے؟ کیا عوامی نمائندوں سے صلاح مشورہ ہوا ہے؟ کیا ماہرین تعلیم کی رائے لی گئی ہے۔ ملک کی ابتر صورتِ حال سب کے سامنے ہے، ان حالات میں غیر ملکی مشیرانِ گرامی قدر کی تخریبی سرگرمیوں کو ملک میں پذیرائی حاصل ہو جانا انتہائی افسوس ناک ہے۔ انہیں شاید یہ غلط فہمی ہے کہ قوم اور اربابِ حکومت کو اپنی اپنی پڑی ہے۔ ملک میں ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ اس نازک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ تعلیم کے ارباب بست وکشاد سے خاطر خواہ فیصلے نافذ کروالیں گے۔''

[ماہنامہ افکارِ معلم، فروری ۲۰۱۰ء، ص:۵]

اس موقع پر بہت بڑی تحریک برپا کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنی بقا، اپنی سلامتی، ترقی، خوش حالی، استحکام سب کا تعلق اس بات سے ہے کہ ہم اپنی نسل نو کو اجڑنے سے بچالیں۔ ان کی صلاحیتوں کو اپنی قومی زبان کے ذریعے محفوظ کرلیں۔ انگریزی کی بالادستی سے ان کو بچالیں۔ تحریک نفاذِ اردو وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

واضح رہے کہ مسلمان کسی غیر ملکی زبان کی تدریس کا مخالف نہیں ہوتا۔ مگر انگریزی زبان جس جارحانہ انداز میں پاکستان کو غلام بنا رہی ہے، ہم یہ بات قطعاً برداشت نہیں کر سکتے۔ اپنی قومی زبان کی قیمت پر، اپنے بچوں کی صلاحیتوں کے زیاں پر ہم راضی ہو جائیں یہ نہیں ہوسکتا۔ آپ انگریزی زبان کو ایک اختیاری مضمون کے طور پر بے شک پڑھایئے ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ مگر اس کو میٹرک اور دیگر اعلیٰ تعلیم میں لازمی قرار دینا یہ ہمارے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ اور اب ابتدائی کلاسوں سے تعلیم کو انگریزی میڈیم بنا دینا؟ کوئی قوم بقائمی ہوش وحواس ایسا فیصلہ نہیں کرسکتی۔ اپنی موت کے پروانے پر دستخط نہیں کرسکتی۔

ہم ارباب بست وکشاد سے اور خصوصاً وزیر اعلیٰ پنجاب سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ایسا نوٹیفکیشن فی الفور واپس لے لیں اور اپنی نسل نو کو پاکستان کے مستقبل کے معماروں کو تباہ وبرباد ہونے سے بچالیں۔



علم الحدیث کے شائقین کے لیے خوش خبری

جامع صحیح بخاری کی عربی شرح فتح الباری (ابن حجر رحمہ اللہ) ۱۴ جلد کا اردو ترجمہ ۳۰/اجزاء پر مشتمل شائع ہو چکا ہے۔ مبلغ پانچ ہزار روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیج کر منگوائیں۔

[محمود شوکت نور پوری، سلیم ماڈل سکول لوئر مال لاہور
فون:0321-4502994]

مولانا محمد زکریا شیر نگری کو صدمہ

مولانا محمد زکریا شیر نگری کے بڑے بیٹے محمد احمد صاحب بعمر ۴۰ برس ۵ مارچ ۲۰۱۰ء کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم دارالحدیث راجووال کے فاضل تھے۔ ان کے دیگر پانچ بھائی بھی اسی درس گاہ میں پڑھے ہیں۔ نماز جنازہ پروفیسر عبیدالرحمٰن محسن صاحب نے پڑھائی۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

[عنایت اللہ امین، مدرس دارالحدیث راجووال]

یادِ رفتگاں

آہ! مولانا عبدالرشید صدیقی رحمہ اللہ بلتستانی

ازقلم: محمود احمد مفکر بلغاری

چھ فروری ۲۰۱۰ء کو دست اجل نے جماعت اہل حدیث بلتستان سے اس کا قیمتی سرمایہ چھین لیا۔

حضرت مولانا عبدالرشید صدیقی رحمہ اللہ راولپنڈی میں چند دن زیر علاج رہے۔ پھر طبیعت سنبھل گئی۔ ۵ فروری کی شب رات گئے تک اپنی منجھلی صاحبزادی اور داماد سے بات چیت میں مصروف رہے۔ صبح آپ کو جگانے کی کوشش کی گئی تو پتا چلا کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ ہسپتال سے تصدیق کرائی گئی تو پتا چلا کہ آپ دو گھنٹے قبل وفات پا چکے تھے۔ آپ کی اچانک وفات کی خبر سے بلتستان میں کہرام مچ گیا۔ آپ کی اچانک وفات پر سب کے چہرے افسردہ نظر آئے۔ کیا مرد، کیا عورتیں، کیا بچے، کیا جوان اور کیا بوڑھے سب نے یہی جانا کہ ان کا مشفق اس خاکدانِ فنا سے چل بسا۔ لوگ پروانہ وار بادیدۂ نم حضرت مولانا کی رہائش گاہ پر جمع ہوگئے اور بہتے ہوئے آنسوؤں سے اپنے عظیم قائد کو عقیدت و نیازکیشی کی سوغات پیش کرتے رہے۔

آپ کی میت بذریعہ گاڑی غواڑی میں لائی گئی۔ المرکز الاسلامی سکردو اور کلیۃ البنات ''غربی کھور'' میں بھی یکے بعد دیگرے آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ پھر ۷ فروری کی شب تقریباً سوا سات بجے قبرستان کے نزدیک ہائی سکول کے میدان میں آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور اس ہشت پہلو ہیرے کو استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید ندوی اور فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن خلیق رحمہما اللہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

حضرت مولانا صدیقی صاحب ایک ممتاز عالم دین، ادیب، شاعر، عمدہ خطیب اور عظیم دانشور تھے۔ آپ جمعیت اہل حدیث بلتستان کے رئیس مجلس العمل اور سہ ماہی مجلّہ التراث کے مدیر تھے۔ حلم و بردباری، سخاوت و فیاضی اور حوصلہ مندی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اور مروت و وفا شعاری میں بے بدل انسان تھے، جس کے ساتھ ایک دفعہ ربط قلبی قائم ہوا ہمیشہ کے لیے اس کو قائم رکھا۔

مولانا محاسن اخلاق میں سلف کی یادگار تھے۔ افسوس ہے کہ جمعیت اہل حدیث بلتستان اس یگانہ صاحب کمال کے وجود سے محروم ہوگئی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی رہائش گاہ کی فضا سونی نظر آئی:

ان کے جاتے ہی کچھ اور ہو گئی گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

حضرت مولانا صدیقی رحمہ اللہ صاحب موضع طور تک علاقہ چھوربٹ میں ۱۹۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد کے تایازاد بھائی مولوی محمد رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ آپ کا خاندان علم و فضل، دولت و ثروت اور تہذیب و تمیزداری میں مشہور تھا۔ فارسی لغت و ادب کے ماہر اور مسلم الثبوت شاعر حضرت قربان علی رحمہ اللہ آپ کے والد ماجد کے تایا تھے۔ خود آپ کے بقول ابتدائی تعلیم کے دوران معروف عالم مولانا محمد فاروق بلغاری رحمہ اللہ طور تک تشریف لائے تو آپ نے ان سے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ پڑھا۔

۱۹۶۴ء میں آپ دارالعلوم غواڑی میں داخل ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب وہاں مولانا مفتی عبدالقادر، مولانا محمد یونس گنتھاوی اور مولانا عبدالرحیم گنتھاوی درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

حضرت مولانا صدیقی نے ان حضرات سے استفادہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق آپ دارالعلوم غواڑی کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر اور جید عالم مولانا محمد ابراہیم انصاری رحمہ اللہ سے بھی مستفید ہوئے۔ بعدازاں آپ کراچی تشریف لے گئے اور چند سال عالم کبیر حضرت مولانا عبدالرشید ندوی رحمہ اللہ اور دیگر اساتذۂ کرام کے حضور زانوئے تلمذ تہہ

کیے۔ آپ شروع سے ہی اپنی ذہانت وفطانت کے طفیل ممتاز تھے۔

کراچی سے آپ فیصل آباد تشریف لے گئے اور جامعہ سلفیہ میں داخل ہوئے اور وہاں سے ۱۹۷۴ء میں سند فراغت حاصل کی۔ پھر خوبی قسمت سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں آپ کو داخلہ مل گیا اور وہاں چار سال آپ کے حصولِ علم کا سلسلہ جاری رہا۔ ممتازِ عالم دین حضرت مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ وہاں آپ کے اساتذہ میں شامل تھے۔ فراغت کے دوران آپ نے فضائل الصحابہ من کتب السنہ والشیعہ کے عنوان سے ایک مقالہ ترتیب دیا۔ اُس کے لیے مشرف جامعہ کی جانب سے حضرت مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ مقرر ہوئے۔

حضرت مولانا کا گاؤں طورتک ۱۹۷۱ء میں انڈیا کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ لیکن آپ نے دینی خدمت کے جذبے کے تحت پاکستان میں شامل علاقہ بلتستان میں رہنے کا فیصلہ کیا اور اپنی اہلیہ کو بھی بلا لیا۔ چناں چہ ۱۹۷۹ء سے آپ نے غواڑی میں اقامت اختیار کی۔ اپنی گرہ سے ایک شاندار کوٹھی بنوائی اور زمین بھی خرید لی۔ اس کے باوجود اپنی دھرتی اور خویش واقارب کی یاد آپ کو آخر آخر تک تڑپاتی رہی۔ جیسے ہی وطن کا ذکر آتا داغہائے کہن تازہ ہوتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے آپ کہہ رہے ہوں: وہ ڈالیاں چمن کی وہ اپنا آشیانہ

حضرت مولانا کے والد بزرگوار حاجی عبدالکریم رحمہ اللہ آپ سے ملنے تشریف لائے اور یہیں غواڑی میں ۱۹۹۳ء کو وفات پائی۔ بڑے وضع دار اور متدین بزرگ تھے۔ چوں کہ ان کا تعلق ملا خاندان سے تھا۔ اس لیے انہوں نے آپ کو حصولِ علم دین کی راہ پر لگا دیا تھا۔ شیخ عبدالرشید صدیقی رحمہ اللہ نے جماعت کے مختلف عہدوں پر خدمت انجام دی اور نہایت قابلیت سے اپنی ذمہ داری نبھائی۔

آپ نے مدیر الامتحانات اور مدیر تعلیم کی حیثیت سے بھی کیے بعد دیگر خدمت انجام دی۔ شیخ عبدالوہاب حنیف رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ جمعیت اہل حدیث بلتستان کے رئیس مجلس العمل مقرر ہوئے اور اسی خدمت کے دوران آپ نے اپنی پاکیزہ جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

شیخ عبدالرحمٰن خلیق رحمہ اللہ، شیخ عبدالوہاب حنیف رحمہ اللہ اور استاذ گرامی حضرت مولانا صدیقی رحمہ اللہ پر مشتمل جامعہ دارالعلوم غواڑی کی محفل دانش منداں کے ارکانِ ثلاثہ نے دارالعلوم غواڑی اور جماعت اہل حدیث بلتستان کے لیے بے حد خدمت انجام دی۔ بلتستان کے گوشہ گوشہ میں مساجد ومدارس کا جال بچھایا گیا اور جماعت کی ترقی اور خوشحالی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان ارکانِ ثلاثہ کو شیخ محمد حسن اثری رحمہ اللہ اور شیخ عبدالباقی خان کا تعاون حاصل تھا۔

دوسری طرف حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید ندوی رحمہ اللہ کی مہارتِ تدریس اور حسن تربیت نے جامعہ دارالعلوم غواڑی کی علمی شہرت پر چار چاند لگا دیئے۔ حضرت مولانا صدیقی محفل دانش منداں کے آخری عظیم المرتبت رکن اور روشن چراغ تھے۔ افسوس ہے کہ یہ روشن چراغ بادِ اجل کے جھونکوں سے چھ فروری کو گل ہوگیا۔ حضرت مولانا صدیقی صاحب نے جامعہ میں تدریسی خدمت بھی انجام دی۔ جن علمائے کرام نے آپ کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں درج ذیل لائق علمائے کرام بھی شامل ہیں:

مولانا عبدالوہاب خان صاحب، مولانا عبدالرحیم روزی صاحب، مولانا محمود الحسن صاحب، مولانا عبدالکریم غزالی صاحب، مولانا علی زاہد صاحب، مولانا محمد اسحاق چپلوی صاحب، مولانا سلیم اللہ عابد صاحب اور مولانا محمد اسماعیل امین صاحب وغیرہ۔

حضرت مولانا صدیقی صاحب کا ادبی ذوق اپنی مثال آپ تھا۔ ۱۹۸۸ء میں مجلّہ التراث کے اجراء کے موقع پر آپ اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ آپ نے اس میں فکر انگیز اداریے تحریر کیے۔ آپ کی مدبرانہ اور مفکرانہ تحریروں سے جماعت کو رہنمائی ملتی رہی۔ حضرت مولانا کی تحریروں سے جہاں ملکی سیاست کے اتار چڑھاؤ سے آپ کی گہری واقفیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے وہاں تاریخ سے آپکی گہری مناسبت نیز قرآنِ پاک اور احادیث نبوی سے استدلال کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

آپ نے مجلّہ التراث کے شمارہ نمبر ۵ میں شمالی علاقہ جات کے معروضی حالات اور زمینی حقائق کی روشنی میں اسماعیلی کمیونٹی کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے پیش نظر ایک متوازی ریاست کے قیام کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ نیز اس اداریے میں امامیہ گروپ کے ایک بیان کو ہدفِ تنقید بنایا

گیا تھا۔ اس پر برصغیر کے ممتاز شاعر مولانا علیم ناصری ؒ نے ہفت روزہ الاعتصام میں بہترین تاثرات کا اظہار کیا اور التراث کے دیگر مندرجات کی بھی تعریف فرمائی۔

حضرت مولانا صدیقی صاحب کے اداریے متنوع موضوعات پر مشتمل ہیں۔ اگر ان کو سلیقے سے جمع کیا جائے تو ایک نہایت عمدہ کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ کئی اہم تصنیفی کام آپ کے پیش نظر تھے۔ استاذِ گرامی مولانا عبدالرحیم روزی کے بقول مولانا حاجی خلیل الرحمٰن ؒ کی غیر مطبوعہ کتاب تذکرۂ علماء وصوفیائے ملتستان کی تلخیص بھی آپ نے شروع کر رکھی تھی۔

راقم الحروف کے قلمی مسودات پر بھی آپ نے از راہِ شفقت بزرگانہ بہترین تاثرات کا اظہار کیا تھا۔ مولانا عبدالرحیم روزی مدظلہ نے آپ کی نمازِ جنازہ سے کچھ دیر پہلے راقم الحروف کو بتایا کہ مولانا ؒ کی حوصلہ مندی نے التراث کو جاری رکھا ہوا تھا اور مولانا اس کے ذریعے جماعت کے ہر ایشو کو آن دی ریکارڈ کرنے کے مشتاق تھے۔ اس موقع پر راقم الحروف نے مولانا کے کمالات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اگر زندگی وفا کرتی تو مولانا کی ذاتِ گرامی سے جماعت کو بیش بہا فائدہ پہنچتا۔

مولانا کی خرابیِ صحت کے پیش نظر راقم الحروف کو ڈر سا لگا رہتا تھا کہ یہ پیکرِ فضل وکمال بادِ مرگ کے جھونکوں سے کہیں بجھ نہ جائے۔ ساتھ ہی یہ فقیر یہ دعا بھی کرتا رہا کہ حضرت مولانا کا سایہ بزرگی ہمارے سروں پر تادیر قائم رہے۔ اس موقعہ پر راقم نے جب عربی کا یہ شعر پڑھا کہ

یا نفس اجملی جزعا
فانك ما تحذرين قد وقع

اے نفس شورشِ غم کو قابو میں رکھ۔ پس بے شک تجھے جس بات کا ڈر تھا وہ بات پیش آ گئی۔

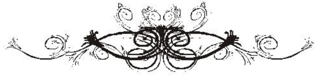
مولانا عبدالرحیم روزی نے اثبات میں سر ہلایا۔ التراث میں مولانا ؒ کی بعض فکر انگیز نظمیں بھی شائع ہوئیں۔ دو شعر ملاحظہ ہوں:

خامہ راشد نے وہ رجحان پیدا کر دیا
پڑھنے والوں کے دلوں کو اپنا شیدا کر دیا
اس طرح دین متین سب پر ہویدا کر دیا
جذبۂ حق و صداقت دل میں پیدا کر دیا

حضرت مولانا کو دواؤں کی کثرتِ استعمال نے حکیم بنا دیا تھا۔ ادھر کئی سالوں سے طب وصحت کے موضوع پر بھی التراث میں خامہ فرسائی فرما رہے تھے۔ راقم الحروف پر حضرت مولانا بے حد مشفق تھے۔ آپ کی بزرگانہ شفقت قیمتی مشوروں اور ہمت افزائی سے محرومی میرے لیے ایک جانکاہ حادثہ ہے۔ آپ کی وفات نے میری متاعِ سکون کو خاکستر کر دیا۔ اب حالت یہ ہوگئی ہے ؎

نہ فراغ ہے نہ دماغ نہ شکیب ہے نہ قرار

آپ کی وفات سے ادب وانشا، علم ودانش اور بزمِ وفا شعاراں کی روشن شمع بجھ گئی۔ اللہ آپ کی آخری آرام گاہ کو اپنی شبنم رحمت سے سدا پر بہار رکھے اور آپ کی اہلیہ، صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔ آمین



اظہارِ تعزیت

① ...... حضرت مولانا محمد یوسف صاحب حفظہ اللہ (راجووال) نے نوجوان خطیب حافظ محمد اسماعیل الخطیب کی وفات حسرت آیات پر دلی تعزیت کا اظہار فرمایا ہے۔ مرحوم سے انہیں قلبی محبت تھی۔ پیرانہ عمری اور صحت کے نہ ہونے کے باوجود آپ نے مرحوم کی نمازِ جنازہ میں شرکت فرمائی۔

② ...... حافظ محمد ادریس (کچہ پکہ، ضلع قصور) گزشتہ دنوں وفات پا گئے۔ ان کی وفات پر بھی قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست جاتی ہے۔ [عنایت اللہ امین، مدرس دارالحدیث راجووال]

ضرورتِ رشتہ

اخبار الدعوۃ

وزارت مذہبی امور سعودی عرب کے وکیل عالی مرتبت

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالعزیز بن عبداللہ العمار

کی مکتب الدعوۃ اسلام آباد میں تشریف آوری

الاستاذ محمد یاسین ظفر (مدیر التعلیم جامعہ سلفیہ فیصل آباد)

مکتب الدعوۃ اسلام آباد بتاریخ ۱۸ مارچ ۲۰۱۰ء بروز جمعرات وزارت شئون الاسلامیہ سعودی عرب کے وکیل عالی مرتبت ڈاکٹر عبدالعزیز العمار کے اعزاز میں ایک پروقار استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں پاکستان میں سعودیہ کے سفیر جناب عبدالعزیز بن ابراہیم الغدیر بھی تشریف لائے۔ جب کہ علماء اور مشائخ کا نمائندہ وفد بھی اس پروقار تقریب میں شریک تھا۔

مہمانوں کی آمد پر مدیر مکتب الدعوۃ الشیخ محمد بن سعد الدوسری نے اپنے رفقاء کے ہمراہ ان کا شاندار استقبال کیا۔ اور فرداً فرداً علماء اور مشائخ کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد مہمانوں نے مکتب الدعوۃ کا معائنہ کیا۔ اور نماز ظہر ادا کرنے کے بعد استقبالیہ خیمے میں تشریف لائے۔ تلاوت قرآنِ حکیم سے تقریب آغاز ہوا۔ تلاوت کی سعادت قاری عبداللطیف ساجد نے حاصل کی۔ اس کے بعد دعاۃ اور مدرسین کی نمائندگی کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر نے خطاب کیا۔ انہوں نے مہمانانِ گرامی کو خوش آمدید کہا۔

سعودی عرب کی خدمات جلیلہ کا تفصیلی ذکر کیا اور بتایا کہ اہل علم اور مشائخ کی کفالت اور ان کے ساتھ ان کا حسن سلوک سعودی حکومت کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلام کی دعوت کے لیے سعودی حکومت کا کردار قابل فخر ہے۔ جس کی عملی تطبیق کے لیے مکتب الدعوۃ دن رات کوشاں ہے۔ مدیر مکتب الدعوۃ الشیخ محمد بن سعد الدوسری کا طرزِ عمل اور لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ نے دعوت کے کام کو چار چاند لگائے ہیں۔ اور تمام علماء اور مشائخ کے دل میں ان کی قدر و منزلت ہے۔ انہوں نے سعودی وزیر برائے مذہبی امور الشیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ اور وزارت کے وکیل اور مہمان خصوصی الشیخ عبدالعزیز العمار اور سعودی سفیر عالی مرتبت جناب عبدالعزیز الغدیر کا بھی خصوصی شکریہ ادا کیا۔ جن کی رہنمائی اور سرپرستی سے مکتب الدعوۃ قابل قدر خدمت سرانجام دے رہا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ ہم سب کے لیے یہ بات باعث اطمینان ہے کہ موجودہ پریشان کن حالات بھی مکتب الدعوۃ نے نہایت مثبت اور اعتدال پر مبنی پالیسی اپنا رکھی ہے۔ اور اسی طرح ان کے زیر نگرانی کام کرنے والے دعاۃ اور مدرسین بھی نہایت عمدگی کے ساتھ اپنا فرض ادا کررہے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر مدارس میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ جن میں شیوخ الحدیث، مفتی اور تعلیمی اداروں کے مدیر ہیں۔ یہ حضرات مختلف سرکاری اور غیر سرکاری کانفرنسوں، سیمینار اور ورکشاپ میں شریک ہوکر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ آخر میں انہوں نے دعوتی کام کی بہتری کے لیے نہایت مفید تجاویز پیش کیں۔

اس کے بعد مدیر مکتب الدعوۃ الشیخ محمد بن سعد الدوسری نے مہمانوں کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ مکتب الدعوۃ آمد پر خوش آمدید کہا اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے مکتب الدعوۃ کی حسن کارکردگی کا تفصیلی تذکرہ فرمایا۔ اور کہا کہ یہ سعودی حکومت اور پاکستانی علماء اور مشائخ کے درمیان رابطہ کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور پاکستان میں اسلام کی دعوت کو فروغ میں اہم کردار ادا کررہا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ پاکستانی علماء اور مشائخ سعودی حکومت کے ساتھ دلی اور قلبی محبت رکھتے ہیں۔ اور ان کی دینی، تعلیمی، رفاہی اور فلاحی خدمات کے معترف ہیں۔

پاکستان میں سعودی سفیر نے اپنے مختصر خطاب میں کہا کہ مکتب الدعوۃ پوری امانت اور دیانت کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ جس کا تفصیلی تذکرہ میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ انہوں نے مہمانِ گرامی کا شکریہ ادا کیا۔

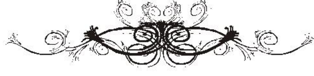
مہمانِ خصوصی جناب ڈاکٹر عبدالعزیز العمار نے کہا کہ میں خطاب کے لیے حاضر نہیں ہوا بلکہ میرا مقصد آپ بھائیوں سے ملاقات اور زیارت ہے۔ یہاں سب نے مختصر گفتگو کی ہے۔ میں بھی اختصار کے ساتھ اپنی بات کروں گا۔ انہوں نے بتایا کہ جب میں طالب علم تھا تو اس وقت ایک وفد کے ہمراہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ جس کی یادیں آج بھی تازہ ہیں۔ انہوں نے تمام شرکاء بالخصوص معالی سفیر اور مدیر مکتب الدعوۃ کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے ملاقات کا موقع فراہم کیا۔

نیز خادم الحرمین الشریفین اور معالی وزیر کا سلام پہنچایا اور کہا کہ سعودی حکومت ہمیشہ اعتدال کا راستہ اختیار کرتی ہے اور اس کی کوشش ہے کہ فرقہ واریت کا خاتمہ ہو اور علماء متحد ہو کر مسلمانوں کی خدمت کریں۔ اور دینی رہنمائی کتاب وسنت کے مطابق کریں۔

انہوں نے تمام علماء اور مشائخ سے بھی اپیل کی کہ موجودہ حالات میں تمام فروعی اختلافات ختم کر کے امت مسلمہ کو مشکل سے نکالیں۔ انہوں نے فرمایا نبی کریم ﷺ اختلافات سے بچ کر کام کرتے جس کی عمدہ مثال بیت اللہ کی تعمیر ہے۔ آپ نے سابقہ بنیادوں پر تعمیر کرنے کا عزم تو کیا لیکن اس کی تعمیر اس لیے نہیں کی کہ لوگ اختلاف کا شکار نہ ہو جائیں۔

دعوت وتبلیغ کے قواعد اور اصول ہیں۔ لیکن ہمارے انبیاء اور رسولوں کی طرح قواعد الشرعیہ کا لحاظ کرنا چاہیے۔ دعوت کے کام کو اپنی خواہشات کے تابع کر کے سرانجام نہیں دینا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ ایک داعی کو چاہیے کہ وہ معاشرے کے تمام طبقات کو اپنا مخاطب سمجھیں۔ کسی ایک گروہ سے ہی اپنا تعلق قائم نہ رکھے۔ انہوں نے علماء و دعاۃ پر زور دیا کہ وہ موجودہ ترقی سے فائدہ اٹھائیں اور ان وسائل سے استفادہ کریں جس سے تبلیغ کا کام بہتر ہو سکے۔

اس کے بعد معزز مہمان کو یادگار شیلڈ اور تحائف پیش کیے گئے اور آخر میں نہایت پر تکلف ظہرانہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔



حافظ حکیم نصیر احمد عاصم کی وفات

جامع مسجد اہل حدیث 1/14-L کسووال کے خطیب مولانا حکیم نصیر احمد عاصم مختصر علالت کے بعد ۷ امارچ بروز بدھ وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ایک جید عالم دین تھے۔ دارالحدیث اوکاڑا سے فارغ التحصیل تھے۔ اوکاڑا، ہارون آباد اور کسووال میں خطابت وامامت کی ذمہ داری ادا کرتے رہے۔ مرحوم کی نماز جنازہ مولانا عبدالرشید ہزاروی حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ مرحوم نے بیٹا، بیٹی اور بیوہ سوگوار چھوڑے ہیں۔ قارئین کرام مرحوم کی مغفرت و بلندئ درجات اور لواحقین کے لیے صبر جمیل کی دعا فرمائیں۔

[قاری محمد حسن سلفی، صدر اہل حدیث یوتھ فورس ساہیوال]

طلباء دارالحدیث اوکاڑا کی تعلیمی سہ ماہی

دارالحدیث اوکاڑا کی تعلیمی سہ ماہی کے موقع پر ۲۴ فروری تا ۲ مارچ تحریری امتحان لیا گیا۔ شعبہ کتب اور حفظ القرآن کے طلباء نے مثالی نمبر حاصل کیے۔ شعبہ کتب میں سے حافظ سعید الرحمٰن درجہ اوّل ۹۵ فی صد (اوّل)۔ ظفر اقبال درجہ اوّل ۸۴ فی صد (دوم)۔ حافظ سہیل احمد درجہ اوّل ۷۸ فی صد (سوم)۔

شعبہ حفظ القرآن میں حافظ محمد اسد ۸۸ فی صد (اوّل)۔ حافظ عبدالمتین ۸۵ فی صد (دوم)۔ محمد مشتاق، عبدالرحمٰن، شعیب افضل ۷۷ فی صد (سوم) پوزیشنیں لینے والے طلباء کو بالترتیب دوسو، ایک سو پچاس اور سو روپے کے نقد انعامات دیے گئے۔ ناظرہ قرآن کا امتحان بھی ہوا۔ انعامی تقریب سے حضرت مولانا عبدالرشید ہزاروی حفظہ اللہ نے خطاب فرمایا۔

[عبداللہ یوسف ناظم دارالحدیث، ایم اے جناح روڈ۔ اوکاڑا]

یہ کیا ہو رہا ہے؟

قوم کی قوم ہی آسودہ غفلت ہے ابھی
کیا کسی اور تباہی کی ضرورت ہے ابھی
سنگ و آہن کے بھی سینوں میں شرر جاگ اُٹھے
چشم انسان ہے کہ محرومِ بصیرت ہے ابھی
قصر و ایواں کی بہاروں کا وہی عالم ہے
جھونپڑوں کی وہی اجڑی ہوئی حالت ہے ابھی
خواہ دفتر کے ہوں ایواں کہ تصوف گاہیں
وہی حلوے ، وہی مانڈے ، وہی رشوت ہے ابھی
یہ بھی اک مصلحت وقت کا ہے لطف و کرم
شیخ کے سر پہ جو دستارِ فضیلت ہے ابھی
وہی شاہانہ تجمل ، وہی محلوں کا شکوہ
وہی جلوت ، وہی خلوت ، وہی نخوت ہے ابھی
لب پہ وہ مہرِ خموشی کہ الٰہی توبہ!
دل کا یہ حال کہ لبریزِ شکایت ہے ابھی
وہی قانونِ فرنگی ، وہی دستورِ عمل
وہی خود ساختہ آئینِ سیاست ہے ابھی
ہم نے مانا کہ ہیں آزاد زمینوں کے حدود
نگہ و دل پہ تو غیروں کی حکومت ہے ابھی
آنکھ پھر منتظرِ صبح قیادت ہے ابھی
ایک فاروقؓ کی دنیا کو ضرورت ہے ابھی

[ماہرالقادری]